خلیج کا بحران

ایک تفصیلی جائزہ
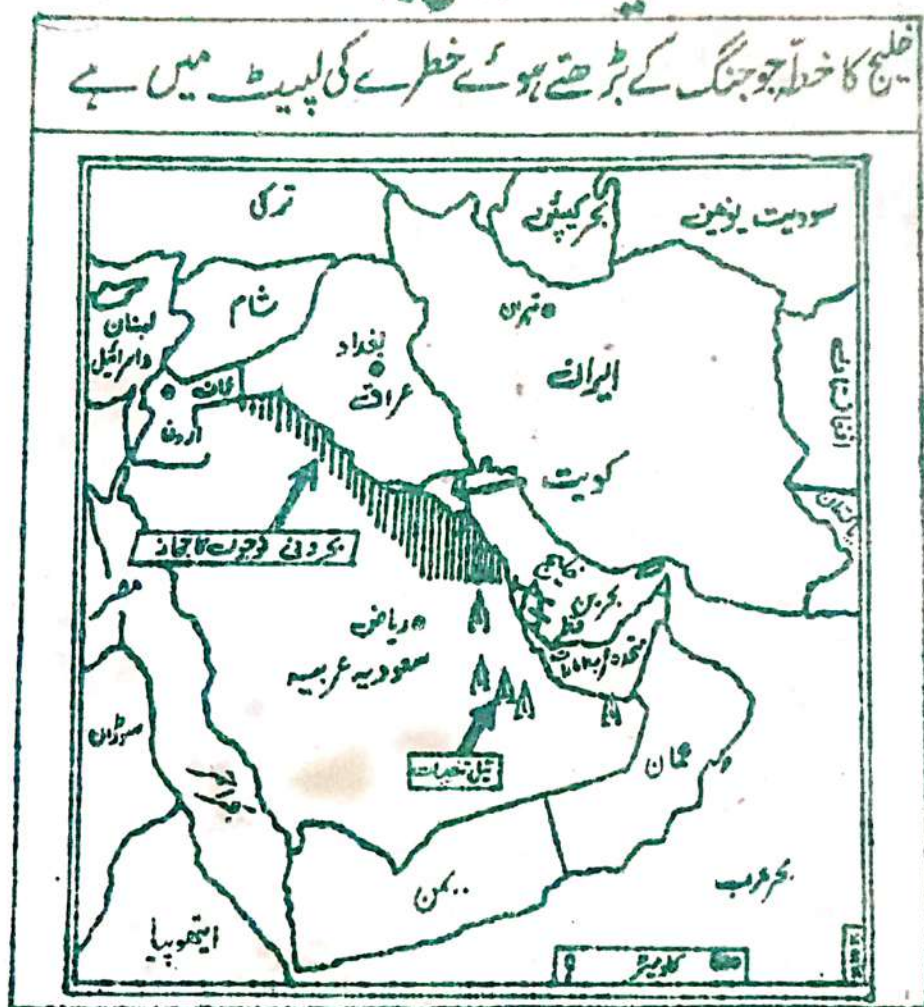
یٰس اختر مصباحی • مبارک حسین مصباحی

المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ یوپی ۲۷۶۴۰۳

سلسلۂ اشاعت نمبر (۱۰)

اس کتاب میں خلیج کی موجودہ صورتِ حال اور اس سے متعلق مختلف خیالات و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور سعودیہ و امریکہ اور عراق کی سیاسی و مذہبی پالیسیوں کا منظر و پس منظر ذرا تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، جو حساس اور منصف مزاج افراد کی نگاہیں کھولنے کے لئے کافی ہے

باھتمام
المجمع الاسلامی مبارکپور

(ناشر)

المجمع الاسلامی ــــ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ۲۷۶۴۰۳ یوپی

جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ / دسمبر ۱۹۹۰ء

قیمت ۱۱/-

(نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد)

ترتیبِ کتاب

(بتعاون)

جناب صغیر علی انصاری، رجب علی اینڈ سنس، بھدوہی

موصوف نے اس کتاب کی تقسیم واشاعت میں جزوی تعاون سے نوازا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

(ملنے کے پتے)

- المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ ۲۷۶۴۰۳۔ یوپی۔
- دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، ۲۷۶۴۰۴۔ یوپی۔

موجودہ صورت حال

باسمہ وحمدہ والصلوٰۃ علی نبیہ وجنودہ

ایک وقت وہ تھا جب دنیا کی قوتیں اسلام کے غلبہ ودبدبہ سے ہراساں نظر آتی تھیں اور اسلام کی پرکشش خوبیاں دنیا کے گوشے گوشے میں بسنے والے انسانوں کو اپنا گرویدہ بناکر ایمان ویقین کی دولتوں سے مالامال کر رہی تھیں۔ ماضی قریب میں بھی ترکی سلطنت کا جاہ وحشم اور پوری دنیا میں اس کا رعب ودبدبہ معروف ومشہور تھا لیکن اسلام دشمن طاقتیں بڑی سرگرمی سے میدان کارزار میں اتریں اور انہوں نے ایک سے ایک حربے استعمال کئے۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کے سارے وسائل اپنائے۔ ان سے ایمان و یقین کی دولت چھیننے کی ہر کوشش بروئے کار لائیں۔ اور اپنی قوموں کے اندر ہر عصبیت وتنگ دلی اور اسلام دشمنی کو اس قدر پروان چڑھایا کہ آج دنیا کا نقشہ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں کسی مسلم ملک کو طاقتور دیکھا اعدائے اسلام اس کے پیچھے پڑ گئے۔ جب کسی قائد کو مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے پایا۔ اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ شاہ فیصل نے مغربی ممالک کے خلاف تیل کو اسلحے کے طور پر استعمال کیا تو اس کے بھتیجے ہی کے ہاتھوں اسے قتل کرا دیا۔ ایران نے سر اٹھایا تو عراق سے لڑا کر اس کا کس بل نکال دیا۔ اور اب عراق نے اسرائیل اور امریکہ کو آنکھیں دکھائیں تو اس کا راشن پانی بھی بند کر دیا گیا۔

دوسری طرف خود شاہ فیصل کے جانشینوں کو اس طرح شیشے میں آتارا کہ وہ اب مغرب ہی کو اپنا ملجا وماوی اور اپنا آقا و فرنروا سمجھتے ہیں۔ کویت اور سعودی عرب کے بادشاہوں کو ان ممالک پر اس قدر اعتماد ہے کہ اپنا اربوں ڈالر کا سرمایہ اپنے ملک، کسی اسلامی ملک، یا اسلامی ممالک کے کسی متحدہ بینک میں جمع کرنے کی بجائے امریکہ میں رکھ چھوڑا ہے۔ اگر وہ اپنے کسی ملک میں رکھتے تو یقیناً اسے فروغ حاصل ہوتا، اس کی قوت میں اضافہ ہوتا۔

اسلامی ملکوں کے اقتصادی وتجارتی مسائل حل ہوتے۔ لیکن افسوس کہ اپنا یہ سرمایہ ایسے بینکوں میں جمع کر رکھا ہے جو ان کی دولت کو خود ان کے خلاف پورے طور سے استعمال کر رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ خطرہ بھی ہے کہ نکالنا چاہیں تو نکالنا درکنار سارا سرمایہ ہی منجمد ہو جائے جیسا کہ متعدد بادشاہوں اور ملکوں کے خلاف یہ ہو چکا ہے۔

امریکہ نے یہ ایسا زبردست حربہ استعمال کیا ہے کہ سعودیہ عربیہ اور کویت وغیرہ اس کے خلاف کچھ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور آج تو پوری طرح ان کے جنگل میں پھنس چکے ہیں۔ اپنی جنگی حکمت عملی، اپنی فوجی قوت میں اضافہ، اور اپنے اندر اتفاق واتحاد کی راہ سے ہٹ کر دوسروں پر بھروسہ کرنے کی جو سزا ملنی چاہئے وہ ان ممالک کو برسہا برس سے مل رہی ہے۔ لیکن ایمانی غیرت ویقین، اسلامی جوش وہمت، حوصلہ مندانہ اقدام وجرأت، اور مومنانہ دوراندیشی وفراست کے بغیر اپنی ذلت ونکبت کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔

رسول عربی فداہ ابی وامی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی غلامی کو کفر وشرک قرار دے کر امریکہ کے بندۂ بے دام ہوئے تو اس حد تک کہ یہ شعور بھی نہ رہا کہ ہم خدا اور خدا کے محبوبوں کا چارہ گر آستانہ چھوڑ کر اس کے دشمنوں کی چوکھٹ پر جبیں سائی کر رہے ہیں۔ جب یہ شعور ہی نہیں تو اس جبیں سائی اور دریوزہ گری سے نکلنے کی فکر کہاں تک پیدا ہوگی ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس وقت خلیج کی پیدا شدہ صورت حال میں امریکہ جس طرح دخیل ہے۔ اور پورے عالم اسلام کو عرب میں اس کی فوجوں کی موجودگی سے جو خطرہ لاحق ہے وہ ہر مسلمان کو تڑپانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہ عجب بے غیرتی ہے کہ اسے جائز ثابت کرنے کیلئے طرح طرح کی تاویلیں گڑھی جارہی ہیں۔ اور ایک کا جرم دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا اس طرح کی باتوں سے وہ داغ دھل سکتا ہے جو عرب ممالک کی مسلسل عیاشیوں اور دفاعی قوتوں سے مجرمانہ غفلتوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ کون سا اسلام ہے

جو اپنا سرمایہ اپنے خلاف استعمال کرانے کی حکمت عملی سکھاتا ہو۔ دفاعی قوتیں فراہم کرنے سے روکتا ہو۔ اور عیاشیوں میں دولت لٹانے کی تلقین کرتا ہو۔ وہ کون سی آیت ہے جو ابنوں، اپنے رسولوں اور خدا اور روحانی قوت و اقتدار رکھنے والے انبیاء و اولیاء سے مدد طلبی کو کفر و شرک قرار دیتی ہو۔ لیکن اپنے دشمنوں، اسلام کے دشمنوں اور خدا و رسول کے دشمنوں سے استعانت و استمداد اور اتحاد و وداد کو جائز ولازم بتاتی ہو۔

وہ کون سی حدیث ہے جو دشمنانِ اسلام کے لئے ہر نرم سے نرم اور نفع بخش سے نفع بخش پالیسی اپنانے کی تلقین کرتی ہو۔ اور خود مسلمانوں کے خلاف سخت سے سخت موقف اپنانے کی تعلیم دیتی ہو۔ بات بات پر اہل اسلام کی گردن زدنی کا حکم صادر کرتی ہو۔ اور سچے پکے ایمان والوں کو کافر و بے ایمان ثابت کرنے کے لئے ہر قسم کی فوجی اور دماغی توانائی استعمال کرنے کی اجازت بخشتی ہو۔

یہ بھی وقت کا المیہ ہے کہ جنہیں خود اپنے ایمان و اعتقاد اور قوت و اتحاد کی فکر ہونی چاہئے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے کر انہیں از سر نو مسلمان کرنے پر سارا سرمایہ صرف کر رہے ہیں۔

آج کی صحبت میں ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ خلیج کا یہ بحران کیسے پیدا ہوا؟ اور اس خصوص میں عالمی پیمانہ پر عراق کو سراسر مجرم ٹھہرانے اور سعودیہ عربیہ کو بالکل بے گناہ ثابت کرنے کے مضرات کیا ہیں؟۔

بالخصوص ہندوستان کے مسلم طبقوں میں آنکھ بند کر کے سعودیہ کی جو پرشور حمایت کی جا رہی ہے کیا یہ امریکہ سے متوقع خطرات کا جواب بن سکتی ہے؟؟۔ آئندہ صفحات سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ البتہ ان حامیوں کو اس حمایت کی معقول قیمت ضرور مل جائے گی۔ بلکہ پہلے سے ملتی آئی ہے۔ جس کا حق ادا کرنا یہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

ان میں ایک طبقہ تو وہ ہے جو سعودیہ کو اپنی ٹولی کی مخصوص مذہبی اور آئیڈیل حکومت تصور کرتا ہے۔ اور اس کے ہر ناجائز کو جائز ثابت کرنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں

صرف کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جسے خود سعودی حکومت کے علماء نہ صرف یہ کہ گمراہ کہتے ہیں بلکہ کافر و مشرک قرار دینے میں بھی اپنا کوئی نقصان نہیں سمجھتے ــــ اور یہ طبقہ بھی ماضی میں اس کی مذمت کے لئے اپنا سارا زورِ قلم صرف کر چکا ہے ــــ ترکی حکومت کے زمانہ میں اس کی ضلالت و گمراہی کے ثبوت میں پوری کتاب لکھ ڈالی ۔ اور آج ہمہ وقت اس کی صداقت و حقانیت کا ڈنکا بجانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتا ۔ حالات کی اس قدر تبدیلی کیوں ؟ وجہ صرف یہ ہے کہ اس طبقہ نے ہمیشہ چڑھتے سورج کی پوجا کو اپنا مذہب ٹھہرایا ہے ۔ اندرون ملک اور بیرون ملک جس سے اس کا مادی اور گروہی مفاد وابستہ ہو وہ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ اسکا ناقوس اپنے ہاتھ میں لے کر بجانے کو تیار رہتا ہے ۔

اب سیاسی حلقوں اور دنیا دار طبقوں کی نظر سے بھی یہ بات مخفی نہ رہی کہ صرف اہلِ سنت وجماعت ہی وہ "سوادِ اعظم" ہے جو ہمیشہ اپنے موقف پر سختی سے کاربند رہا ہے اور کسی قیمت پر بھی اس نے کبھی اپنے ضمیر و ایمان کا سودا نہیں کیا ہے ۔ وہ اگر بولتا ہے تو وہی بولتا ہے جو حق کا تقاضا ہو، جو اسلام کی آواز ہو، جو قرآن کا ارشاد ہو، جو رسول گرامی وقار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا فرمان ہو۔

ٹکوں اور سکّوں پر اس کے فتوے نہیں بکتے ۔ منصب و عہدہ کے عوض اس کا دین و ایمان نہیں خریدا جا سکتا ۔ وہ مالی اور مادی طور پر کمزور تو ہو سکتا ہے ۔ لیکن باطل کو باطل اور غلط کو غلط کہنے کے لئے اس کے ہر فرد کا ضمیر بیدار رہتا ہے ۔ وہ نہ صرف یہ کہ دوسروں کی غلط روی طشت از بام کرتا ہے بلکہ اپنوں کو بھی اگر جادۂ حق سے منحرف ہوتے دیکھتا ہے تو اس کے خلاف چیخ پڑتا ہے ۔ اس کے یہاں گروہی عصبیت کی بنیاد پر کسی قائد کی بڑی سے بڑی غلطیوں کی تاویل نہیں کی جاتی بلکہ اسے بھی درستی اور سچائی کی طرف آنے کی پُر اصرار دعوت دی جاتی ہے ۔

اب بہ توفیق اللہ اور کھلی آنکھوں اور بیدار دل و دماغ سے حقائق کا جائزہ آپ خود ہی لیجئے ۔

بحران کی ابتدا

خلیجی بحران کیسے شروع ہوتا ہے۔ اور کویت پر عراق کا حملہ کب اور کیوں ہوا۔ اس سلسلے میں ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن ان معلومات کو اپنے ذہنوں میں ایک بار پھر تازہ کر لیں۔ ایک اخبار اس کی پوری سرگزشت یوں رقم کرتا ہے۔

"قاہرہ میں ۴۵ ممالک پر مشتمل آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا کویت اس اجلاس کی جس میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ شریک تھے؟ صدارت کر رہا تھا۔ دوسری طرف جدہ میں شاہ فہد، صدر حسنی مبارک کی کوششوں سے کویت اور عراق کے درمیان سرحدی تنازعہ کو سلجھانے کے لئے گفتگو ہو رہی تھی۔ عراق نے کویت کی سرحد پر زبردست فوجی اجتماع کر لیا تھا۔ لیکن کسی نے عراق کی اس حرکت کو مرعوب کرنے کی کوشش سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

۳۱ جولائی کو جدہ میں عراق اور کویت کے مابین ہونے والی گفتگو میں موضوع بحث کویت اور عراق کے درمیان سرحد کا کچھ حصہ تھا۔ جہاں تیل کے چشمے ہیں۔ عراق برسوں سے اس علاقے کو اپنا قرار دیتا آیا ہے۔ اس نے ۱۸ جولائی کو بہت ہی جارحانہ انداز میں کویت پر الزام لگایا تھا کہ اس نے اس علاقے سے اربوں روپئے کا تیل نکال کر فروخت کر دیا ہے اور اس طرح عراق کی معیشت کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۱۷ جولائی کو تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم اوپیک کی میٹنگ میں بھی عراق کی جھڑپ متحدہ عرب امارات اور کویت کے ساتھ ہوئی۔ عراق نے الزام لگایا تھا کہ یہ دونوں ممالک اپنے متعینہ کوٹے سے زیادہ تیل نکال کر چپکے چپکے فروخت کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا میں تیل کی قیمتوں میں زبردست کمی ہو رہی ہے۔ اوپیک تنظیم نے دنیا میں تیل کی قیمتیں ایک سطح پر رکھنے کے لئے تمام ممالک کا پیداواری کوٹہ مقرر کر رکھا ہے۔ سب ممبر ممالک اس بات کے پابند ہیں کہ اس معینہ مقدار میں تیل نکال کر فروخت

کریں۔ اور اوپیک تنظیم نے جو شرح مقرر کئے ہیں ان کے مطابق ہی فروخت کریں۔ دونوں ممالک عراق کے اس الزام کا تسلی بخش جواب نہ دے سکے اور عراق ایران اور چند دوسرے ممالک کی کوششوں سے تیل کے نرخ میں اضافہ کیا گیا۔ پہلے تیل کے ایک بیرل کی قیمت ۱۴ ڈالر تھی۔ جو میٹنگ کے بعد بڑھا کر ۲۰ ڈالر کردی گئی۔ اور سب ممبر ممالک نے عہد کیا کہ وہ اپنے متعینہ کوٹے سے زیادہ تیل پیدا نہیں کریں گے۔

جدہ میں ہونے والی یہ میٹنگ درمیان میں ہی ناکام ہوگئی۔ اور عراقی وفد یکم اگست کو میٹنگ کا بائیکاٹ کرکے بغداد واپس لوٹ آیا۔ یکم اگست اور ۲ اگست کی درمیانی شب میں رات ایک بجے عراقی فوجوں نے کویت کی سرحد میں گھس کر دارالسلطنت جس کا نام بھی کویت ہے۔ کی طرف مارچ شروع کردیا۔ اور ۹ گھنٹے میں انہوں نے پورے کویت پر قبضہ کرلیا۔ کویت کا حکمراں خاندان جو تقریباً ڈھائی سو سال سے کویت پر حکمرانی کررہا تھا۔ اس نے بھاگ کر سعودیہ عربیہ میں پناہ لے لی۔ پوری کاروائی میں لگ بھگ ۸۰۰ کویتی فوجیوں اور شہریوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اصل میں عراق اور کویت کے درمیان یہ تنازعہ بہت پرانا ہے۔ ترکی حکومت کے دوران کویت عراق کے صوبے بصرہ کا ایک حصہ تھا۔ اور بغداد کے سلطان نے کویتی حکمراں خاندان کو جس کے موجودہ سربراہ شیخ جابرالاحمد الصباح ہیں کو مسند حکومت عطا کی تھی، بغداد میں ترکی اقتدار کے دور میں بھی حکومت اسی خاندان کے پاس رہی۔ ترکی اقتدار کے خاتمہ کے بعد جب انگریزوں نے اپنی عیاری سے عالم اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے کئے تو کویت کو عراق سے الگ کردیا۔ اور اس کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ کیونکہ کویت چھوٹی سی حکومت ہونے کے باوجود تیل کی دولت سے مالامال تھا۔ لیکن ساٹھ کے دہے میں جب عالمی صورت حال کے تحت نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہورہا تھا تو انگریزوں نے ۱۹۶۱ء میں کویت کو آزاد کردیا۔ تو اس وقت بھی عراق کے حکمراں عبدالکریم قاسم نے دوبارہ عراق میں کویت کو ضم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت عراق ایک کمزور ملک تھا۔ اس کی فوجی طاقت بھی بہت کم تھی۔ چنانچہ جیسے ہی عراق نے کویت کو ضم کرنے کی کوشش کی برطانیہ

کی کویت میں موجود صرف چھ ہزار فوج نے نقل و حرکت شروع کر دی ۔ اور عراق کو کسی انتہا پسندانہ اقدام سے باز رکھا ۔ بعد میں بین الاقوامی حالات اور دوسری وجوہات نے عراق کا ارادہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ۔ اور کویت عالمی سطح پر ایک فلاحی ریاست کے بطور اپنی منفرد حیثیت تسلیم کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا ۔ چونکہ کویت میں بھی بادشاہت تھی اس لئے لامحالہ اس کا جھکاؤ اور اس کی قریبی نسبت ان عرب ممالک سے رہی جہاں آج بھی شہنشاہیت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ۔ بادشاہت اور سوشلزم ان دو متضاد نظریات نے پورے عالم عرب کو دو دھڑوں میں بانٹ دیا ۔

جس وقت عراق نے کویت پر حملہ کیا اس وقت مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں اسلامی ممالک کی کانفرنس چل رہی تھی ۔ کانفرنس میں یہ خبر بجلی کی طرح گری ۔ اس سے بھی زیادہ خراب حالت امریکہ اور اس کے یورپی حلیفوں کی ہوئی ۔ امریکہ جس کے سٹیلائٹ ساری دنیا میں چکر لگا کر دن رات جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور جس کی سی آئی اے ساری دنیا میں سیاسی افراتفری مچاتی رہتی ہے ۔ عراق نے اپنی حرکت سے سب کو حیران و ششدر کر دیا "

(اخبار نو دہلی جلد ۸ شمارہ ۱۲ ، ۱۶ تا ۲۲ راگست ۱۹۹۰ء ص ۴، ۳ ۔ بتلخیص)

عراقی حملہ کے جواب میں امریکہ نے سعودیہ کو یہ دکھایا کہ امریکی فوجوں کا یہاں رہنا بہت ضروری ہے ۔ ورنہ سعودیہ بھی نہ بچ سکے گا ۔ چنانچہ اس نے اس کا یقین کر لیا ۔ اور امریکہ کو اپنے صحن میں گھسنے کی دعوت دی ۔ وہ اپنی ڈھائی لاکھ فوج اور بے شمار اسلحوں کے ساتھ اس سرزمین میں اتر آیا ۔ اس فوج میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ اسرائیلی فوجیں بھی بڑی مقدار میں شامل ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی امریکہ نے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر فوراً عراق کی اقتصادی ناکہ بندی کی تجویز منظور کرائی ۔ اور اس پر نہایت شدت سے عمل درآمد بھی شروع کر دیا ۔ یہاں تک کہ عملاً اسے اقتصادی ناکہ بندی تک ہی محدود نہ رکھا ۔ بلکہ معاشی اور غذائی ہر طرح کی پابندی عائد کر دی ۔ دواؤں کا پہونچنا بھی مشکل ہو گیا ۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے ۔

دوسری طرف ۲۸ راگست ۱۹۹۰ء کو ایک صدارتی فرمان کے ذریعہ کویت کو عراق کا ایک صوبہ بنا لیا گیا ۔ اور اس کا نام قدیمہ رکھا گیا ۔ ادھر امریکہ نے تمام ممالک پر دباؤ ڈالا کہ عراق

کے خلاف اپنی فوجیں بھی سعودیہ میں بھیجیں۔ اور اب فوجی کارروائی شروع کرنے کے لئے سارے ممالک کے اتفاق کی سرگرم کوشش جاری ہے۔ امریکہ مزید اپنی ایک لاکھ فوجیں سعودیہ میں آتار رہا ہے۔ دوسری طرف عراق بھی اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ حملہ کا منتظر کھڑا ہے۔ عراق کویت خالی کرنے کے لئے یہ شرط عائد کرتا ہے کہ اسرائیل بھی عرب کے مقبوضہ علاقے واپس کرے اور خلیج سے امریکی فوجیں واپس جائیں۔ اور امریکہ و دیگر ممالک کا یہ مطالبہ ہے کہ عراق غیر مشروط طور پر کویت خالی کردے ورنہ ناکہ بندی تو جاری ہی رہے گی۔ فوجی کارروائی کرکے اسے تباہ و برباد بھی کیا جا سکتا ہے۔ انجام صرف عراق ہی کے خلاف جائے گا یا سارے عرب ممالک کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا؟ اور امریکہ و اسرائیل سراسر فائدے ہی میں رہیں گے یا انہیں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا؟ ان سوالات پر ہر طرف سے مختلف آوازیں آرہی ہیں۔ بہر کیف صورتِ حال بڑی پیچیدہ، سنگین، اور نہایت خطرناک ہے۔ خدا خیر کرے۔

عراق نے کویت پر حملہ کیوں کیا؟

اس سلسلہ میں یہ بیانات سامنے آتے ہیں۔ ہفتہ وار اخبار "بلٹز" بمبئی لکھتا ہے۔

"عراق نے کویت پر حملہ کیوں کیا؟ اس کا کہنا ہے کہ کویت کے نوجوانوں اور حریت پسندوں نے عراقی افواج کو دعوت دی تھی کہ وہ کویت آئیں اور شاہی حکومت کے پنجے سے انہیں آزاد کرائیں۔ عراق کا کہنا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کویت میں عراقی فوجوں کی مزاحمت کی گئی ہوتی اور کویتی افواج نے ان کا کچھ تو مقابلہ کیا ہوتا۔ عراق یہ بھی کہتا ہے کہ امیر کویت اپنے عوام کو چھوڑ کر سعودی عرب کیوں چلے گئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم بادی النظر میں عراق کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ پہلے کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی تھی کہ کویت کے حکمراں کے خلاف خود کویتی فوجی یا شہری علم بغاوت بلند کرنے والے ہیں۔

عراق کی دوسری بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے۔ صدر صدام حسین کا کہنا ہے کہ اوپیک سمجھوتے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کویت اور متحدہ عرب امارات نے زیادہ مقدار میں تیل نکالا۔ اور اسے عالمی منڈی میں بھیج کر تیل کی قیمت کوڑیوں میں کردی۔ عراق کا

کہنا یہ بھی ہے کہ کویت نے سرحدوں کے قریب گہرے کنویں کھود کر اس کا تیل چرالیا ہے۔"
(بلٹز جلد ۲۷، شمارہ ۳۲، سنیچر ۱۱ / اگست ۱۹۹۰ئ ص: ۱۲)

اسی سلسلہ میں اخبار نو کا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"کئی ماہ قبل جب سے صدر صدام حسین نے غاصب اور ظالم اسرائیل کو چیلنج دیا تھا کہ اگر اس نے کسی عرب ملک پر حملہ کرنے کی جرأت اور غلطی کی تو عراق اس پر انتہائی تباہ کن زہریلے گیسوں کی بارش کر دے گا کہ آدھا اسرائیل جل کر خاک ہو جائے گا۔ اس لئے اسرائیل امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور روس جیسے ملکوں میں زبردست زلزلہ آگیا۔

سب سے پہلے ساری دنیا میں صدر صدام حسین کے خلاف کردار کشی کی لہر پیدا کی گئی تاکہ عالمی رائے عامہ کو ان کے خلاف مشتعل کیا جاسکے۔ امریکہ کی بدنام خفیہ ایجنسی سی آئی اے اور امریکی سفارت خانوں کے ذریعہ نیز اسرائیلی اثر میں کام کرنے والی خبر رساں ایجنسیوں کے توسط سے صدر صدام حسین کے خلاف گمراہ کن اور بے بنیاد مفروضات سے آراستہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔ اور ان کا بیکر اس طرح پروجیکٹ کیا گیا گویا وہ ہٹلر یا چنگیز ہوں۔ اس معاملے میں امریکی پروپیگنڈہ بازوں نے جرمنی کے گوئبلز کو بھی مات کر دیا یہ پروپیگنڈہ بہم شباب پر تھی کہ امریکہ نے صدر صدام حسین کو قتل کرا دینے اور ان کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش رچی۔ اور کویت کے کٹھ پتلی حکمراں جابر الصباح کو اس خطرناک سازش کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری سونپی۔ جابر سے کہا گیا کہ وہ عراق کے اندر اور باہر کام کرنے والے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ یہ دونوں کام انجام دلائیں۔

عراق کو اس سازش کی بھنک مل گئی۔ اور یہ امریکی منصوبہ بری طرح ناکام ہو گیا۔ صدام حسین کا تختہ الٹ دینے میں ناکام ہونے کے بعد منصوبہ کے دوسرے مرحلے میں عراق پر کویت کی سرزمین سے اچانک اور بھرپور حملہ کر دینے کا خاکہ تیار کیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں سعودی عرب، خلیجی ملکوں کے شیخ اور مصر و شام وغیرہ کے سربراہوں کو بھی اعتماد میں لیا گیا۔ جب صدر صدام حسین کو انتہائی معتبر ذرائع سے معلوم ہو گیا کہ عراق پر اچانک اور برق رفتار حملہ کی تیاریاں پوری کی جارہی ہیں تو انہوں نے اس سازش کی بساط ہی

الٹ دی ۔" (اخبار نو، جلد ۸، شمارہ ۱۵، ۳۱ راگست تا ۶ ر ستمبر ۱۹۹۰ء ص : ۱۶)

عراق کی ناکہ بندی اور اسرائیل کی پشت پناہی

عراق کی ناکہ بندی پر امریکہ، اقوام متحدہ، اور سلامتی کونسل کی پالیسی پر ایک سوال کے جواب میں عراق کے سفیر عبدالودود شیخلی (سفارتخانہ نئی دہلی) فرماتے ہیں ۔

"ہمیں اقوام متحدہ کو بحیثیت ایک عالمی کمیونٹی کے جس کا ایک تحریری چارٹر ہے یقیناً قابلِ احترام سمجھنا چاہیئے ۔ مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ اس کے قول وفعل میں بہت تضاد ہے ۔ اس پورے دسے میں جواب ختم ہونے والا ہے ۔ امریکی اور دوسرے سامراجی ممالک نے پوری کوشش یہی کی ہے کہ وہ کہیں کچھ اور کریں کچھ اور وہ دنیا میں چلا چلا کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ انسانی حقوق کے محافظ اور علمبردار ہیں ۔ لیکن عملی طور پر وہ انسانی حقوق کی نفی کرتے ہیں ۔ خواہ وہ ان کے اپنے ملک ہوں یا فلسطین ۔ مثلاً انسانی حقوق کے یہ نام نہاد محافظ فلسطینیوں کی تحریک انتفاضہ کی طرف سے آنکھیں موندے رہتے ہیں ۔ وہ اس وقت کہاں ہوتے ہیں جب فلسطین میں معصوم بچے مارے جاتے ہیں ۔ اب انہی کی شہ پر عراق کے خلاف معاشی ناکہ بندی کی گئی ہے ۔ کیا یہ ان کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ پہلے اسرائیل کے خلاف یہی کارروائی کرتے ۔ جب اس نے اقوام متحدہ کی کھلی خلاف ورزی کرکے جنوبی لبنان پر قبضہ کیا تھا یا جب اس نے جارڈن کے دریا کے مغربی کنارے پر قبضہ کیا تھا یا غازہ پٹی اور گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کیا تھا ۔ اس وقت تو انہوں نے کبھی بھی معاشی ناکہ بندی یا معاشی بائیکاٹ کی بات نہیں کی ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے ۔ بلکہ ان کا اصل مقصد تو عربوں کے خلاف سازش کرنا ہے ۔ اس خطے کے خلاف سازشیں کرنا ہے ۔ اس کے لئے وہ یہ آڑ لیتے ہیں کہ وہ اپنے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں ۔ اور اس خطہ کے عربوں کی مدد کر رہے ہیں ۔ اور انہیں عراق سے بچا رہے ہیں ۔" (اخبار نو دہلی، جلد ۸، شمارہ ۱۶، ۷ ر تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۰ء ص : ۹)

اقوام متحدہ کا کردار

اس سلسلہ میں یہ اقتباس پڑھئے:۔

"اقوامِ متحدہ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد ۱۹۴۵ء میں وجود پذیر ہوئی۔ اس کا نصب العین بین الاقوامی سطح پر امن قائم رکھنا ہے۔ ابتدا میں اس کے ممبروں کی تعداد صرف ۵۱ تھی۔ دو سال کے عرصہ میں اس کی تعداد بڑھ کر ۱۸۰ ہو گئی جو آج کئی سو پر مشتمل ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک سلامتی کونسل ہے جس میں دنیا کی پانچ بڑی طاقتیں، امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، اور چاین شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ملک بھی شامل ہوتے ہیں۔ جن کی حیثیت عارضی ہوتی ہے۔ سلامتی کونسل کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بین الاقوامی تنازعہ پر غور کرے اور جارحانہ کاروائی کرنے والے کے خلاف کاروائی کرے۔ پندرہ ممبروں والی اس کونسل میں کسی قرارداد کی منظوری کے لئے ۹ ممبروں کی حمایت ضروری ہے۔ جبکہ پانچ مستقل ارکان کو ویٹو پاور حاصل ہے جو کسی بھی تجویز کو مسترد کر سکتے ہیں۔ یعنی ۹ ممبروں کی رائے کو ایک نے ٹھکرا دیا، مطلب صاف ہے کہ جس کے پاس طاقت ہے اس کی چودھراہٹ چلے گی۔ ان پتوں پر تکیہ کرنا آج عالمی برادری کے تمام کمزور ملکوں کی مجبوری بن چکا ہے۔

دراصل مغربی سامراج اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے آج سے ۵۴ سال قبل پیش قدمی کے طور پر اقوام متحدہ کو وجود میں لایا تھا۔ تاکہ اس کی آڑ لے کر وہ اسلام اور مسلمانوں کی سرکوبی کرتا رہے۔ اس سازش کا دوسرا حصہ اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنا ہے جسے صرف چند ملکوں ہی نے تسلیم کیا ہے۔ جبکہ فلسطین کے وجود کو دنیا کے ۱۱۵ ملکوں نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج صیہونی طاقت برابر فلسطینیوں سے نبرد آزما ہے۔ اس سازش میں امریکہ کے ساتھ دنیا کی دوسری بڑی طاقت روس بھی شامل ہے۔ اسی سازش کے تحت روسی یہودیوں کی اسرائیل میں نوآبادکاری ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں روسی یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کیا گیا ہے۔ شیر فلسطین یاسر عرفات نے حال ہی میں ایک انٹرویو میں انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل ایک عظیم تر ریاست بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ جس میں عراق، شام، لبنان، اردن، مصر اور سعودیہ عربیہ کے

کچھ حصے شامل ہوں گے ۔ اس وسیع تر اسرائیل کے نقشے بھی شائع ہو چکے ہیں ۔
اس میں شک نہیں کہ اپنے ۴۵ سالہ دور میں اقوام متحدہ نے کئی کام کئے اور بہت سے نازک مرحلوں میں اقوام متحدہ نے بیچ میں پڑ کر جنگوں کو ٹالا ہے ۔ ایران، یونان، ٹرچ انڈونیشیا، جنوبی شمالی کوریا، انگلستان اور مصر کے درمیان ہونے والے جھگڑے اس کی چند مثالیں ہیں ۔
جنوبی افریقہ اور روڈیشیا میں نسل پرستی اور رنگ کا مسئلہ، جنوبی اور شمالی ویتنام کا مسئلہ، اقوام متحدہ کے لئے جیتا جاگتا نمونہ ہے ۔ اور سب سے بڑھکر فلسطین کا مسئلہ اس کے ماتھے پر بدنما داغ بنا ہوا ہے ۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد ۲۴۲ اور ۳۳۸ جس میں اسرائیل سے عرب مقبوضہ خالی کرنے کی بات کی گئی ہے ۔ اسی طرح قرارداد ۴۲۵ جس کے تحت جنوبی لبنان سے اسرائیل کو اپنی فوجیں بلالینی چاہئے ۔ لیکن اسرائیل نے اس پر آج تک عمل نہ کیا ۔ کیونکہ اس کا ناجائز باپ امریکہ ہر اس قرارداد کو ویٹو کر دیتا ہے جو اس کی ناجائز اولاد اسرائیل کے خلاف ہوتا ہے" ــــــــــــــ
(اخبار نو دہلی، جلد ۸، شمارہ ۱۶، ۷ تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۰ء ص: ۶)

خلیج کے معاملہ میں امریکہ کی اس قدر دلچسپی کیوں؟

اس سلسلہ میں اخبار نو لکھتا ہے:

"یہ تمام بحران فی بادی النظر میں عربوں کی باہمی چپقلش معلوم ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر اس کے پس منظر کو غور سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ہر بحران کے پیچھے مغربی سامراج کارفرما رہا ہے ۔ جب جب کسی عرب لیڈر نے تیل کی طاقت کو محسوس کر کے اسے بطور اسلحہ استعمال کرنے کی کوشش کی تو اسے پوری توانائی سے مغربی سامراج نے کچلا ہے ۔ شاہ فیصل کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ آج صدام حسین کے خلاف یہ تمام تر توانائیوں کے ساتھ آمادۂ پیکار ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت ان کا طریقہ کار اور تھا، آج اور ہے" (جلد ۸، ش ۱۸، ۲۱ تا ۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ء ص: ۱۳)

امریکہ کے نقد فائدے

یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ امریکہ جیسے خود غرض اور شر پسند ممالک اپنے مادی منافع کے بغیر اپنی جگہ سے ہلنا تو دور کی بات ہے کسی کی حمایت یا مخالفت میں زبان بھی نہیں ہلا سکتے۔ انسانی ہمدردی، حقوق انسانی کی حفاظت، اخلاقی بلندی وغیرہ جیسے خوبصورت الفاظ ان کے یہاں محض ایک نمائشی لیبل اور جلب منفعت کے کارگر اسلحہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے ان الفاظ کے بطن میں حقیقی معنی کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

پھر سوال یہ ہے کہ امریکہ نے کویت کی بازیابی اور سعودی عرب کی شاہی بچانے کے لئے اپنی فوج اور دوسری توانائیوں اور کوششوں کی پیش کش کیسے گوارا کرلی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امریکہ نے یہ سب اپنے خاص منافع کے پیش نظر کیا ہے۔ اور اس کے عزائم نہایت خطرناک ہیں۔ اس کا اور دیگر مغربی ممالک کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ عراق کی قیادت سے تیل کی قیمت اور پیداوار پر پابندی لگ رہی تھی۔ اس لئے مصلحت یہ تھی کہ اسے اس قدر پسپا اور رسوا کردیا جائے کہ وہ کسی معاملہ میں قیادت کا خیال ہی ترک کردے۔

یہی سزا اس نے ایران کو دی تھی۔ جب ایران نے امریکی یرغمالیوں کے معاملہ میں اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کردیا۔ سزا کی نوعیت تھوڑی بدلی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ عراق کو بالواسطہ مدد پہونچا کر ۹ سال ایران وعراق جنگ جاری رکھ کر ایران کو اس قدر کمزور کردیا کہ وہ سر بھی نہ اٹھا سکے۔

اسی طرح وہ مختلف طریقوں سے مصر اور لیبیا کو بھی زیر کرچکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب جتنے عرب ممالک ہیں وہ بری طرح امریکہ سے لرزاں و ترساں نظر آتے ہیں۔ اور وہ جو چاہتا ہے ان سے منوالیتا ہے۔ کویت کے تیل کی پیداوار میں اضافہ اور کم سے کم قیمت پر امریکہ کے ہاتھوں اس کی فروخت امریکہ کی اسی منفعت جوئی کا ایک حصہ ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ڈھائی لاکھ فوج کا جو خرچ امریکہ کے سر آتا تھا وہ یک لخت سعودیہ کے سر منتقل ہوگیا۔ جو یومیہ کروڑوں ڈالر تک پہونچتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ کہ عرب ممالک میں مالی لحاظ سے سعودیہ سب سے زیادہ طاقتور نظر آتا تھا۔ اسے اس قدر مصارف میں ڈال دیا جائے کہ اس کی بھی کمر ٹوٹ کر رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ جو ملک اپنے پورے دفاعی بجٹ سے صرف پچاس ہزار فوج کا انتظام کرتا تھا۔ یک بیک اس پر اپنی فوج کے مقابلے میں کئی گنا بہتر اور زیادہ لوازم کے ساتھ ڈھائی لاکھ فوج کا انتظام بڑا ہی خزانہ شکن معاملہ ہے۔ مگر امریکہ نے اسے باور کرایا کہ اگر وہ ہماری فوجیں نہیں حاصل کرتا ہے تو اس کا سارا وجود ہی خطرے میں ہے۔ اس لئے یہ ایک ضروری اقدام ہے جس سے انحراف اپنی موت کو دعوت دینے کے مرادف ہے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح امریکی ماہرین کو سعودی عرب کے زمینی ذخیروں کی دریافت، اور اس سرزمین کی مالی صلاحیتیں جانچنے کا بھرپور موقع مل سکے گا۔ اور وہ سیر و سیاحت کے نام پر اس خطہ کے چپہ چپہ کو چھان کر اس کی مخفی قوتوں کا راز معلوم کر سکیں گے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ امریکی فوج میں شامل اسرائیلی فوج سعودی سرزمین کے راستوں اور اس پر فوجی حملہ کے متوقع اور منصوبہ بند ذرائع کو بروئے کار لانے کے سارے طریقوں پر غور کر سکے گی۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اتنی بڑی فوج یہاں رکھنے کے بعد سعودی حکومت پوری طرح تابع فرمان رہے گی۔ کیونکہ ہر لمحہ اسے یہ خطرہ رہے گا کہ کسی بات میں بھی اگر اپنی ضد پر اڑ گئے تو امریکہ چشم زدن میں ہمیں خاکستر کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی وزارتِ دفاع، جس نے بار بار یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی سرزمین سے عراق پر حملہ کی اجازت نہ دے گی۔ آج امریکہ کی خواہش اور سرگرمی کے پیش نظر اپنا موقف تبدیل کر چکی ہے۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں امریکی فوج کے بھاری بھرکم وجود کے باعث کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے گا۔ اور اگر کسی نے اس پر حملہ کا ارادہ بھی کیا تو سب سے پہلے اسے خود اپنے وجود و عدم کے بارے میں غور کر لینا ہوگا۔
اس طرح عرب ممالک کی ہزارہا مخالفتوں، لاتعداد کانفرنسوں، بے شمار تجویزوں اور

منصوبوں کے باوجود اسرائیل کے وجود کا پورا پورا تحفظ ہو جائے گا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ آج فلسطینیوں پر اسرائیل کے نازترین مظالم سامنے آرہے ہیں، لیکن کوئی ملک نمائشی مذمت سے زیادہ اسرائیل کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ اب مقبوضہ علاقوں کی واپسی کا مطالبہ چھوڑ کر ایک نمائشی قسم کی نئی تنظیم بنانے کی تجویز پاس ہورہی ہے۔ یقیناً یہ سب خلیج اور سعودی عرب میں امریکہ کی بھاری طاقت کی موجودگی کا کرشمہ ہے۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ ایک طرف امریکی فوج کے بوجھ سے سعودیہ کی کمر ٹوٹے گی، تو دوسری طرف اقتصادی و معاشی ناکہ بندی سے عراق کا کس بل نکل جائے گا۔ پھر جنگ ہو یا نہ ہو عالم اسلام میں کوئی ملک ایسا نہ بچ سکے گا جو مغربی مفادات اور امریکی سامراج کے خلاف کچھ سوچنے سمجھنے کی بھی ہمت کر سکے۔

نواں فائدہ یہ ہے کہ اربوں ڈالر کا امریکی اسلحہ جو بیکار ہو رہا تھا سعودیہ کے ہاتھوں فروخت کرکے مالی استحصال کی راہ بھی ہموار ہوگئی۔ اب وہ استعمال ہو یا نہ ہو امریکہ کا دام خالی ہوگیا۔ دوسری طرف اسرائیل کو بھی اس سے زیادہ مقدار اور قوت میں اسلحے فراہم کرنے کا جواز نکل آیا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو طاقت کا توازن برقرار نہ رہتا۔

دسواں فائدہ یہ ہے کہ تحفظ حرمین کے نمائشی کردار کے باعث تمام عرب ممالک جو امریکہ سے یک گونہ نفرت رکھتے تھے۔ وہ اس کے بہت قریب آسکیں گے۔ اور پوری طرح اس کے اشاروں پر چلنے کے لئے تیار رہیں گے۔ پھر اگر جنگ بھی ہوتی ہے تو کوئی امریکہ کی مذمت نہ کرسکے گا۔ بلکہ سب اس جرم میں برابر کے شریک ٹھہریں گے۔

یہ تو نقد فوائد ہیں جو خود ہی اپنی اہمیت رکھتے ہیں کہ مغرب کو اس بحران سے جو کچھ نقصان ہو رہا ہے ان فوائد کی وجہ سے یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ آئندہ امریکہ کے جو خطرناک منصوبے اور منفعت پرستانہ و جارحانہ عزائم ہیں وہ تو ابھی کالی کوٹھری میں بند ہیں۔

کاش! عالم اسلام کو عقل آئے اور وہ اپنے مسائل خود حل کرنے اور اپنے کو دشمن سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ اس کے لئے ایمانی عزم و یقین اور قرآنی ہدایات پر استقامت سے کاربند ہونے کی ضرورت ہے۔

محمد احمد مصباحی
۲۷/۱۱/۹۰ء

خادمِ حرمین کون؟

شاہ فہد ــــــ یا ــــــ جارج بش؟

ــــــ (از) ــــــ

مولانا یٰسین اختر مصباحی
مدیر حجاز جدید ــ نئی دہلی
و رکن المجمع الاسلامی مبارکپور

جزیرۃ العرب اس وقت آتش فشاں پہاڑ بن چکا ہے۔ کب اور کس وقت لاتعداد انسان اس کے شعلوں کی نذر ہونے لگیں اور کون سا عرب شہر کس لمحہ انسانی لاشوں اور ڈھانچوں کا شہر بن کر گورغریباں کا وحشتناک منظر پیش کرنے لگے۔ نیز خود کلمہ گو مسلمان ہی استکباری طاقتوں کی سازشوں کا شکار ہوکر اپنے مسلمان پڑوسیوں کا گلا کاٹنے لگیں۔ اس کے بھیانک تصور ہی سے کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے۔ اور دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

عالم اسلام کی سب سے بڑی کم نصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے سبھی داخلی وخارجی امور و معاملات اور سیاسی و فوجی اقدامات ومعاہدات میں دوسروں کا محتاج و دست نگر بن چکا ہے۔ اور قصر کرملین (روس) وقصر ابیض (امریکہ) کے مکینوں کی پیشانیوں پر ابھرتی ہوئی لکیروں کو وہ اپنی قسمت کی لکیریں سمجھ بیٹھا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اختیار وتصرف کے جنازے پیرس ولندن اور ماسکو و واشنگٹن کے قبرستانوں میں دفن ہو چکے ہیں۔ اپنی مرضی سے نہ وہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کوئی قدم آگے بڑھاتا ہے

گزشتہ ایک صدی کے بعد کے جو حالات و واقعات ہمارے سامنے ہیں وہ نہ صرف مذکورہ خیالات واحساسات کی تائید بلکہ اس شعر کی مکمل عملی تشریح بھی کرتے ہیں ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را ، تو دانی حساب کم وبیش را ۔

ایران عراق جنگ

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہی کویت اور سعودی عرب جو کل تک ایران عراق جنگ میں عراق کے پشت پناہ اور اس کے معاون ومددگار رہے تھے وہ خود آج آپس ہی میں دست بگریباں ہیں اور ایک

دوسرے کے خلاف صف آرائی اور فوجی کار روائی کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور تلک الایّام نداولہا بین الناس کا عبرت انگیز نمونہ پیش کر رہے ہیں ؎

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا ، بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس خوفناک ۹ سالہ جنگ کے دوران کویت وسعودی عرب وغیرہ کے کردار پر بحث کرتے ہوئے مولانا اخلاق حسین قاسمی سابق صدر جمعیۃ العلماء لکھتے ہیں۔

ایران عراق خوں ریزی عرب قومیت اور ایران قومیت کا تصادم تھا۔ اس غیر اسلامی جنگ کو مذہبی نعروں اور مذہبی اصطلاحوں کے سہارے لڑا گیا۔ کفر کے فتوے نافذ کئے گئے نسلی غرور کی جنگ کو اسلامی جہاد قرار دیا گیا اور اس غیر اسلامی جنگ میں عرب نسل پسند اور اسلام پسند دونوں حلقوں نے بے دریغ سرمایہ لٹایا۔ ایران کی مذہبی قیادت نے بھی فرقہ وارانہ عقائد کے زور پر نوجوانوں میں گرمی پیدا کی۔

جنگ میں عرب قومیت کی فتح ہوگئی لیکن اس فتح کے نشے میں عراق کے بھوکے شیر کو نظر انداز کر دیا گیا جو حقیقت میں اس جنگ کا فاتح تھا۔

عیش وعشرت کی محفلیں اٹھا دی جاتیں مذہبی اداروں پر خرچ کی جانے والی زکوٰۃ اور بینک کے سود کی رقموں میں کمی کر کے اس بھوکے سپاہی کے پیٹ کی گرمی کو ٹھنڈا کیا جاتا جس کی گرمی کو بھڑکانے میں انہیں دولت مندوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور بھوکا شیر اپنے کھلاڑی ماسٹروں پر ٹوٹ پڑا۔ پھر ان سرکش ماسٹروں نے اپنی حفاظت کیلئے وہ تدبیریں اختیار کیں جن سے ظلم کی کہانی دراز ہوگئی۔ اور خوفناک بن گئی۔ پندرہ سو برس تک رسول پاک کی آخری وصیت کے مطابق جزیرۃ العرب یہود ونصاریٰ کے قدموں سے محفوظ رہا اور آج وہ قدم اس سرزمین کو روندرہے ہیں۔

(روزنامہ "قومی آواز" دہلی ۲۴ ستمبر ۱۹۹۰ء)

عراق وکویت انضمام

۶ ستمبر کو دارالعلوم محمدیہ دلائل روڈ بمبئی میں علماء وائمہ اہلسنت کی جو ہنگامی میٹنگ جزیرۃ العرب کے حالیہ بحران کے سلسلے میں ہوئی تھی اس نے دو درجن علماء کی جانب سے اخبارات ورسائل کیلئے

یہ بیان جاری کیا۔

"عراق وکویت کے موجودہ سنگین تنازعہ نے عرب اور عالم اسلام کو جس شدید ذہنی اور مذہبی کرب و بے چینی سے دوچار کیا ہے۔ اور پوری دنیا کے امن پسند انسانوں کو جس فکر وتشویش میں مبتلا کیا ہے وہ اب مختلف طبقات اور حلقوں کے درمیان غور وخوض اور بحث ونظر سے گزر کر بہت تیزی کے ساتھ جدال ومخاصمت کی حدود میں داخل ہوتا جارہا ہے۔

کویت پر عراق کے قبضہ اور اعلان انضمام کے بعد عربوں کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کا واحد حل صرف یہ ہے کہ اسے عرب لیگ اور خلیج تعاون کونسل کے ذریعہ افہام وتفہیم کی بنیاد پر نتیجہ خیز اور قابل عمل بنایا جائے اور ان کے پلیٹ فارم سے اس سیاسی اور سرحدی تنازعہ کو ختم کیا جائے۔

سرحدی دفاع کے لئے امریکی افواج کو دعوت دے کر سعودی حکومت نے جس عاقبت نا اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے اور ارض حجاز کو امریکی مفادات کی نذر کیا ہے۔ اس سے سارے عالم اسلام کے قلوب مجروح ہوئے ہیں۔ اور ہر قلب مؤمن کی یہ متفقہ و متحدہ آواز ہے کہ سرزمین حرمین شریفین کے تحفظ کے لئے امریکی ومغربی افواج کو فوراً سعودی حکومت سے واپس کیا جائے تاکہ تقدس حرم کو پامال کرنے کی صہیونی سازش کو عبرت انگیز ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑے۔ اور عالم اسلام کا کھویا سکون وقرار بحال ہوسکے۔

اس موقع پر امریکی افواج کے داخلہ کے لئے یہ جواز پیش کرنا کہ سعودی عرب کے اندر عیسائی ویہودی ملازمین پہلے بھی موجود تھے حد درجہ سادگی یا بے بصیرتی کی بات ہے کیونکہ یہ عناصر پہلے مزدور اور ملازم کی حیثیت سے سعودی عرب میں موجود تھے۔۔ اور اب ان کے ہم مذہب عیسائیوں اور یہودیوں کا وجود مسلح فوجی کی حیثیت سے ہے جو ہزاروں میل کا فاصلہ چند ساعت کے اندر طے کرسکتے ہیں۔ اور حدود سلطنت کے اندر جنگ کے شعلے بھڑکنے کے بعد ہر شہر اور مقدس سرزمین کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔

اسی طرح یہ خیال بھی علم و مذہب سے دوری اور ناواقفیت پر مبنی ہے کہ بحالت جنگ بھی مکہ معظمہ اور مدینہ پاک کے تحفظ کے لئے یہود و مشرکین سے معاہدے خود سرکار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں۔ کیونکہ معاہدہ کی یہ کیفیت اور حکم منسوخ ہے [1] اور ان دونوں حالتوں کو یکساں سمجھنا سفارتی و سیاسی مفاد پرستی اور دنیا داری کی ایک بدترین مثال ہے۔

ہم علماء و ائمہ اہلسنت واضح طور پر حکومت سعودی عرب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوراً امریکی فوج کو اپنی سرزمین خالی کرنے کا حکم دے اور سعودی عرب کو یہودیوں و

---

[1] نہیں بلکہ امریکی افواج سے مسلم حکومت کے مقابلہ میں استعانت اور ان بلا دمیں یہود و نصاریٰ کی مسلح موجودگی کو صلح و معاہدہ کہنا ہی غلط ہے۔ یہ تعبیر اس وقت درست ہوتی جب سعودیہ اور امریکہ کے درمیان جنگ چھڑ جاتی پھر باہم جنگ بندی کا معاہدہ اور صلح کر کے اپنی اپنی فوجیں اپنے اپنے ملک واپس کر لیتے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں قطعاً ایسی کوئی صورت نہیں۔ یہاں تو اسلام اور مسلمانوں کے ظالم اعداء حرمین اور تمام مسلم ممالک کے برہنہ دشمنوں سے استعانت ہے۔ وہ بھی اہلِ اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ سے کھلی ہوئی استعانت جس کی ممانعت شرع مطہر سے صراحۃً ثابت ہے۔ بلکہ یہ صورتِ حال استعانت سے بھی بڑھ کر ان یہود و نصاریٰ کو ایک مسلم ملک تباہ و برباد کرنے، اور خود حرمین شریفین پر بھی غلبہ و تسلط جمانے کی دعوت ہے۔ اور بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لینے کی بدترین مثال۔

پھر امریکی افواج کو سرزمین حجاز پر بلانے کے لئے عراق سے خطرہ کو وجہ جواز بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ عراق سے اگر خطرہ ہو سکتا ہے تو صرف نجدی خاندان کی جابرانہ و آمرانہ شاہی کے لئے۔ لیکن حرمین کے لئے عراق سے خطرہ کی بات کوئی منصف مزاج تسلیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ جمہوریہ عراق کی پوری تاریخ میں مشاہد اور مقامات مقدسہ سے متعلق عراق کی جانب سے بربادی بے حرمتی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ حفاظت و حرمت کا شاندار ریکارڈ قائم ہے۔ جبکہ سعودی حکومت کی بنیاد ہی حرمین شریفین کی بے حرمتی پر قائم ہے —— اور اس کی طرف سے مشاہد و مقامات متبرکہ کی بربادی و پامالی کا نقشہ تو آج بھی کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

جیسا بعنوں کی یلغار سے محفوظ رکھ کر عالم اسلام کے جذبات کا احترام کرے۔

(جاری کردہ: فتح احمد بستوی مقباحی)

کویت پر عراقی حملے کے سلسلے میں مختلف اور متضاد رائیں سامنے آرہی ہیں۔ ابھی تک دنیا کے کسی مسلم یا غیر مسلم ملک نے اس سلسلے میں عراق کی حمایت نہیں کی ہے۔ اور نہ کوئی ملک عراق وکویت انضمام کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر اس عراقی اقدام کو حق بجانب قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی چھوٹا اور کمزور ملک باقی نہیں رہ جائے گا۔ ہر بڑا پڑوسی ملک کوئی نہ کوئی قدیم رشتہ ڈھونڈ کر اپنے کمزور پڑوسی ملک پر چڑھ دوڑے گا اور ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے اور اسے ہضم کرنے لگے گی۔ متعدد عرب سربراہان مملکت اس قسم کی تجاویز پیش کر رہے ہیں کہ کویت کا کچھ حصہ عراق کے لئے چھوڑ دیا جائے اور باقی علاقوں کو آزاد کرکے کویتی عوام کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے حکمراں کا انتخاب کریں۔

اس حادثہ کے نتیجہ میں سعودیہ نے جو امریکی فوج بلائی ہے اسے عالم اسلام سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سعودیہ کے حامی ہیں وہ بھی اس سعودی اقدام پر نجی محفلوں میں اظہار تشویش کرتے ہیں۔ مگر اپنے محدود مفادات و مصالح کے تحت اس کا دفاع کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ امریکی فوج بلانے کا سبب عراق ہے۔ اور اسی کی جارحیت نے سعودی عرب کو اس اقدام پر مجبور کیا۔ اس طرح یہ حضرات سعودیہ کی خودکشی اور امریکی مگرمچھ کے سامنے حجاز کو تھالی میں سجا کر پیش کرنے کا شعوری یا غیر شعوری جواز فراہم کرنے میں بھی سرگرم ہیں۔

بہرحال سیال سونے کے سمندر میں سعودیہ وکویت جس عیش و عشرت کے ساتھ اپنی کشتی میں موج مستی کی زندگی گزار رہے تھے وہ اب منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور انہیں ساحل نجات تک پہونچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔

صدام حسین و شاہ فہد کی جذباتی حمایت و مخالفت کرنے والے کچھ حضرات زندہ باد مردہ

باد کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اور پوسٹر بازی و بیان بازی میں مسلسل اپنا وقت اور سرمایہ قربان کرنے میں بڑا سکون قلب محسوس کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں سنجیدگی کے ساتھ اس پہلو پر غور کرنا چاہیے کہ اس سیاسی پس منظر میں ہم جو کچھ کر رہے ہیں کہیں انہیں ایسا کوئی دھکہ نہ لگے جس سے ان کے جذبات کی کمزور عمارت مسمار اور زمین بوس ہو جائے۔ کیونکہ صدام حسین اور شاہ فہد کو مصالحت کی میز پر آتے کتنی دیر لگے گی؟ بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ نو سال تک خوں ریز جنگ لڑنے والے ایران و عراق چشم زدن میں اپنے بیشتر اختلافات کو پس پشت ڈال کر امریکی فوج کے مقابلے میں ایک ہوگئے ہیں۔ اور دنیا یہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین تبدیلی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔

اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ کویت کے سلسلے میں کوئی مصالحتی فارمولہ سامنے آجائے، اور جس طرح "متنازعہ شط العرب" کے معاملے میں عراق نے یکطرفہ دست برداری کا اعلان کر کے ایران سے دوستی کرلی اسی انداز سے "متنازعہ کویت" کا بھی کوئی حل نکل آئے؟

ساتھ ہی عراقی و سعودی حامیوں اور مخالفوں کو یہ تاریخی حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ بیسویں صدی کے ربع اول میں جب حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی سرپرستی اور حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی و مولانا محمد علی جوہر وغیرہم کی قیادت میں عظیم الشان تحریک خلافت چلی تو ہندوستان کے نوے فیصد مسلمانوں نے دیوانہ وار اس کی حمایت کی اور امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی و حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صدر علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شیروانی کی تنبیہ و ہدایت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی جس کا یہ عبرتناک نتیجہ سامنے آیا کہ ۱۹۲۴ء میں جب ترک لیڈروں نے اپنے یہاں سے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تو یہ تحریک نہایت حسرت و ندامت کے ساتھ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اور آج یہ تحریک ماضی کی تاریخ کی ایک داستان پارینہ کے سوا کچھ اور نہیں جسے پڑھ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کا کتنا قیمتی سرمایہ اور ان کی عملی قوت اس بے بنیاد تحریک کی نذر ہوگئی۔

کہیں اسی طرح کا کوئی نصف۔ اس مسئلے کا بھی نکل آئے، اور جو ہوائی قلعہ اور جذبات و خیالات کا خوشنما تاج محل چشم تصور کے سامنے انہوں نے سجا رکھا ہے، اسے کوئی ہنگامی عرب معاہدہ صلح آن کی آن میں پاش پاش نہ کر ڈالے؟ ——

اور سیاست حاضرہ کی نیرنگی و بوالعجبی سے یہ صورت حال پیدا ہو جانا کچھ زیادہ بعید نہیں کیونکہ مسلم سیاستداں جب کوئی اقدام اٹھانا چاہتے ہیں تو آیت و حدیث ہی کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور جب کسی مرحلے میں وہ قدم روک لینا چاہتے ہیں تب بھی کتاب و سنت ہی کا نام لیتے ہیں۔ جب کوئی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں تو جہاد کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اور جب صلح کا ذہن بناتے ہیں تو امن و سلامتی کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے مفادات کی صلیب پر چڑھانے کے لئے اب عام طور پر یہ مسلم حکمراں اسلام کا نام صرف گرمیٔ محفل کے لئے یا محض زیب داستان کے لئے بھی استعمال کرنے لگتے ہیں، اور ان کی ہمنوائی و پشت پناہی کے لئے "درباری علماء" کا ایک بڑا طبقہ ہر وقت اپنی عاقبت خراب کر کے اس دنیا کو سنوارنے کے لئے دست بستہ کھڑا اور ان کے ہر عمل کو مذہبی رنگ دینے پر کمربستہ اور آمادہ و مستعد رہتا ہے۔

دوسری جانب تازہ خلیجی بحران کے سلسلے میں مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کے غیظ و غضب اور اس کی حواس باختگی کا تجزیہ کرتے ہوئے معاصر ہفت روزہ بلٹز بمبئی لکھتا ہے:

"کویت پر عراق کے حملے اور اسے عراق میں ضم کرنے پر امریکہ کی قیادت میں مغربی ممالک یک آواز ہو کر نہ صرف عراق کی مذمت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سراسیمہ ہو گئے ہیں۔ جبکہ برخلاف تیسری دنیا کے بیشتر ممالک جن میں عرب ممالک بھی شامل ہیں اس ضمن میں بالکل صحیح موقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ یہ ایک عرب مسئلہ ہے اور اسے حل کرنے کا سب سے پہلے عربوں ہی کو موقع ملنا چاہیئے۔ آخر امریکہ اور یوروپی ممالک کی اس ہراسانی کی وجہ کیا ہے؟۔

بذاتِ خود امریکی ذرائع ابلاغ نے امریکہ کی اس سراسیمگی کی وضاحت سہل اور راست انداز میں کی ہے۔ جس کے مطابق خلیج میں امریکی مفادات ہی اس سراسیمگی کی وجہ ہیں۔ اور امریکی مفادات سے مراد تیل اور اس میں لگا امریکی سرمایہ ہے۔ امریکی صدر کا قصر یعنی وہائٹ ہاؤس یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ عراق کے چند سوٹینک بمشکل ..ا کلومیٹر آگے بڑھیں اور امریکی و یورپی مفادات کو جس کا نمائندہ ڈکیت کی طرح وہ گزشتہ ۳۰ برس سے اٹھا رہے ہیں مسمار کر دیں۔ ان کے نزدیک عراق کی یہ کوشش شاہرانہ ہے۔

بہرحال عرب ممالک کے جولات دمنات دنیا کے سامنے کھڑے کئے گئے تھے، وہ کویت پر عراقی حملے کے نتیجے میں سجدہ ریز ہو چکے ہیں۔ اور مغربی ممالک کو احساس ہو گیا ہے کہ حقائق کو اب چھپایا نہیں جا سکتا۔ حتی کہ فوجی طاقت بھی یہ کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ سارے عرب ممالک کی آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ کویت کو ضم کرنے کے بعد عراق اب علاقے کے خام تیل کی ۴۵ فیصد پیداوار پر قابض ہے۔ کویت پر عراق کے حملے سے جو شدید جھٹکا عربوں کو لگا تھا اس کا اثر اب زائل ہو چکا ہے۔ اور عرب قومیں اب صورت حال کو بھانپ چکی ہیں۔ اب عرب عوام صدام حسین کو اپنا سیاسی سماجی، اور معاشی نجات دہندہ سمجھ رہی ہیں۔ صدام حسین نے اپنے اقدام سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرا دی ہے کہ خلیجی دولت چند ہاتھوں میں محصور ہے۔ اب عرب یہ جان لینے کے بعد حیرت زدہ ہیں کہ اگر عربوں کے خود تباہی کے رجحان کو روکا نہیں گیا تو یہ مجنونانہ کیفیت ایک سو برس تک جاری رہے گی۔ اس رجحان کا کوئی توڑ ہونا چاہیئے تھا۔ اور صدام کے اقدام نے کارگر طور پر یہ مقصد حاصل کر لیا ہے۔

اس سے پہلے کہ اس بحران کا حل عرب آپس میں مل بیٹھ کر نکالتے امریکہ نے اس کوشش کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا۔ صدر بش نے قاہرہ میں جاری عرب چوٹی کانفرنس کے فیصلے سے پہلے ہی امریکی دفاعی سکریٹری کو ریاض دوڑایا تاکہ وہ شاہ فہد کی گردن ناپ کر انہیں مجبور کریں کہ وہ امریکی افواج کو بے وجہ عراقی حملے کے خلاف "مدعو" کریں۔ یعنی "آ بیل مجھے مار"۔ بش نے اپنے یورپی حلیفوں اور چند عرب پٹھو ریاستوں کو بھی اپنے ساتھ

ملا لیا۔ اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کچھ عالمی تشویش کو دور کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ (۲۲ ستمبر ۹۰ء ہفت روزہ بلٹز بمبئی)

درحقیقت امریکہ کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہے کہ عراق اسے آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اور اس کی دھمکیوں سے بھی مرعوب نہیں ہو رہا ہے۔ اسی لئے وہ اقوام متحدہ کو بار بار استعمال کر رہا ہے۔ اور معاشی ناکہ بندی کی ناکامی کے بعد فوجی کاروائی کے لئے اقوام متحدہ ہی کو ڈھال بنانا چاہ رہا ہے۔

امریکہ جو خود سب سے بڑا قزّاق اور دوسرے ممالک میں سازشی جال پھیلانے کے علاوہ فوجی مداخلت کرنے میں بھی پیش پیش ہے۔ اسے تشویش اس بات کی ہے کہ خلیج میں اسکی چودھراہٹ کا جنازہ نکلتا دکھائی دے رہا ہے۔ اور اس کی اجازت و مرضی کے بغیر کیوں عراق اتنی دیدہ دلیری سے کام لے رہا ہے۔

اور پوری یہودی لابی کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر کویت پر قبضہ کرکے عراق نے اپنی معاشیات کو درست کر لیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مصر اور دوسرے ممالک کو اپنے ساتھ لے کر کسی روز وہ اچانک اسرائیل پر چڑھ دوڑے اور اس کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے۔ اسرائیل اور اس کے آقا امریکہ و برطانیہ کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کے پیچھے یہ ایک بڑا راز پوشیدہ ہے۔ اور وہ کسی نہ کسی بہانے سے عراق کو سبق سکھانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

لیکن عراق سے ٹکر لینا بھی اب کوئی آسان کام نہیں رہ گیا ہے۔ اسے ریگستانی جنگ کا بڑا تجربہ ہونے کے ساتھ ہی سیاسی لحاظ سے اس کے حق میں یہ بھی ایک بڑی ہمت افزا پیش رفت ہوئی ہے کہ امریکہ سے جنگ کی صورت میں ایران اس کی ٹھیک اسی طرح پشت پناہی کرے گا جیسے ایران عراق جنگ کے دوران کویت اور سعودیہ عراق کے معاون و مددگار رہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بیشتر مسلم ممالک بھی عراق کے دوش بدوش سامراج کے خلاف صف آرا ہوں گے۔ کاش اس حقیقت کو سعودیہ جلد از جلد سمجھ لے اور وہ جتنی جلد اس حقیقت کو سمجھے گا اتنا ہی اس کے حق میں اچھا اور بہتر ہوگا۔

المدد یا امریکہ

اس دھماکہ خیز عراقی حملے سے چونکہ سعودی عرب سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اس لئے اپنی سرحدوں کے آس پاس عراقی فوج کا جماؤ دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اس نے دل ہی دل میں المدد یا امریکہ کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ اور امریکی فوج اپنے ایک فرماں بردار و اطاعت شعار ملک کی مدد کو دوڑ پڑی۔ حالانکہ عراق کے حملہ سے خوفزدہ ہو کر امریکی فوج کو دعوت دینے کے عاقبت نا اندیش سعودی قدام کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص اپنے سامنے کوئی فوجی ٹرک کو آتے دیکھ کر بدحواسی کے عالم میں کسی گہرے کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔

دوسری طرف سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ صدر امریکہ مسٹر جارج بش عراق کے خلاف جو معاشی ناکہ بندی کی تحریک چلا رہے ہیں اور سعودی عرب میں اپنی فوج بھیج کر عراق کو مرعوب کرنے یا اس پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اس کے پس پردہ ان کا اپنا یہ مفاد کارفرما ہے کہ خلیجی ریاستیں ان کے دائرہ شر سے باہر نہ نکلنے پائیں۔ اور عراق کے توسط سے روس کو اس علاقہ میں اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع نہ ملنے پائے۔

سعودیہ میں امریکہ اپنی فوج بھیج کر اس کی مدد نہیں، درحقیقت اپنے اسرائیل کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ اور ان کا یہ اعلان سراسر گمراہ کن ہے کہ امریکی بحری بری اور فضائی افواج سعودیہ پر عراق کے ممکنہ حملے کے دفاع کے لئے بھیجی گئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اردن کے شاہ حسین، پی ایل او کے مسٹر یاسر عرفات، لیبیا کے کرنل معمر قذافی، ایران کے ہاشمی رفسنجانی اور بہت سے دیگر سربراہان مملکت نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی پر سخت الفاظ میں اعتراض کیا۔ اور اس کی واپسی کا مطالبہ ہر چہار جانب سے کیا جا رہا ہے۔ بہت سے عرب ملک مثلاً اردن، یمن، سوڈان، مقبوضہ فلسطین وغیرہ میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اور کویت پر عراقی حملے کی مذمت سے زیادہ اب بھی ممالک اس مطالبہ پر زور دے رہے ہیں کہ امریکی فوج سعودی عرب سے فوراً واپس بلایا جائے۔

عرب عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں عراق کے

خلاف جو بھی اقدامات کر رہی ہیں ان کے ساتھ مسلم دشمنی اور عرب دشمنی کا جذبہ بھی شامل ہے اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ۱۹۶۷ء سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اسرائیلی مظالم کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کبھی آگے نہیں آیا، بلکہ اسرائیل کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا اور وہی امریکہ آج اچانک اتنا انصاف پسند اور اصول پرست کیسے بن گیا؟۔

کویت چھوڑنے کی عراقی پیش کش

امریکی و برطانوی دباؤ کو دیکھتے ہوئے صدام حسین نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ایک زبردست جوابی وار کیا کہ

"امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین و شام کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کر دے تو عراق بھی کویت سے دست بردار ہو جائے گا"۔

اس حملہ سے مارگریٹ تھیچر اور جارج بش بوکھلا اٹھے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کے تار و پود بکھرتے نظر آئے۔ دوسری جانب کئی مسلم ممالک نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔ اور جگہ جگہ ان کی حمایت میں جلسہ و جلوس کا اہتمام کیا جانے لگا۔ جس نے عراق وکویت تنازعہ کو ایک نیا موڑ دیا۔

کویتی بحران کو خلیجی تعاون کونسل "عرب لیگ" اور اسلامی وزرائے خارجہ کی میٹنگیں طلب کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ کی غیر ضروری دلچسپی دیکھ کر ہمیں "مقدمہ شاہ بانو" پر سپریم کورٹ کا فیصلہ یاد آگیا۔ اور پھر مسلمانانِ ہند کی عظیم الشان "تحریکِ تحفظ شریعت" کے وہ مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے کہ ایک طرف تو مسلمان اپنی جان و مال کی بازی لگا کر مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک چلا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ارون شوری اور بالا دیورس جیسے لوگ شاہ بانو کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے۔ اور اس کی ہر طرح کی حمایت و اعانت کے لئے بے چین تھے۔

تو کیا جس طرح ارون شوری اور بالا دیورس وغیرہ "شاہ بانو" کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہے تھے اور ان کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ ٹھیک اسی طرح "سعودیہ" کے غم میں امریکہ و برطانیہ وغیرہ دبلے نہیں ہوئے جا رہے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ اور ہے گر

نہاں پردوں میں جو ہے چشم بینا دیکھ لیتی ہے

برطانیہ اور آلِ سعود

اصل مسئلہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے بیسویں صدی کے ربع اوّل میں "عرب قومیت" کا نعرہ لگا کر صہیونی منصوبہ کے تحت ترکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکالا تھا۔ جس کی گواہی اس دور کی پوری تاریخ دیتی ہے۔

حجاز مقدس سے شریف حسین کی امارت کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا۔ اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبدالعزیز کو ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا

سعودی ریال کے زیر سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستانی علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے۔ مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کاروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم کھا رکھی تھی۔ اور جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں؟ تو ایک ترک مرد مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مرجانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرم محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

حدود حرم کے اندر جب آل سعود کا یہ حال تھا تو اس سے باہر انہوں نے قتل وغارت گری اور سفاکی و درندگی کے کیسے کیسے ہولناک کارنامے انجام دیئے ہوں گے؟

اس طرح بیسویں صدی کے ربع اول میں انگریزوں کے ظل عاطفت میں آل سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ جب کہ آل سعود کے تسلط کو حجازیوں نے نہ اس وقت دل سے تسلیم کیا اور نہ آج وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار ہو تو وہ حرمین شریفین میں اس سلسلے میں استصواب رائے کرکے خود صورت حال کی تحقیق کر سکتا ہے۔

اور اب بیسویں صدی کے ربع آخر میں آل سعود نے امریکی سامراج کا دامن تھاما

ہے تاکہ عالم اسلام کے ہاتھوں اپنا دامن تار تار ہونے سے بچایا جاسکے۔

حجاز پر صلیبی وصیہونی حملہ

اس وقت ریاض، دمام، ظہران جو علاقہ نجد میں واقع اور حرمین شریفین سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہیں۔ وہاں لگ بھگ ڈھائی لاکھ مسلح امریکی فوجی موجود ہیں۔ جس میں بعض ذرائع کے مطابق پچاس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ریگستانی ٹریننگ کی خدمت پر مامور ہیں۔

ایک معمولی آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ یہ ڈھائی لاکھ امریکی فوجیں اس وقت سعودی عرب پر ممکنہ عراقی حملہ کے دفاع کے لئے نہیں ہیں بلکہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔

اور امریکہ نے اپنے شکنجہ میں سعودی عرب کو اس بری طرح جکڑ رکھا ہے کہ عالم اسلام کی ناراضگی کے باوجود اپنے آقا امریکہ سے اس درخواست کی جرأت نہیں کر پا رہا ہے کہ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ اب آپ یہاں سے واپس تشریف لے جائیں کیونکہ ہم عالم اسلام سے فوجی امداد طلب کر کے اپنے دفاع کا انتظام کر رہے ہیں۔ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سعودیہ کے لئے ایسا کوئی قدم اٹھانا اب ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

ساری دنیا کے سیاسی وصحافتی حلقے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ "عظیم تر اسرائیل" کے خفیہ نقشے میں "خیبر" اور "مدینہ" بھی ایک مدت سے شامل کئے جا چکے ہیں۔ اور اخباری اطلاعات کے مطابق جب سعودی دعوت پر یہودی فوجیوں نے سرزمین سعودیہ پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے جب اس بات کے مواقع یہودیوں کو میسر آئے ہیں کہ وہ براہ راست جنگی نقطۂ نظر سے ان مقامات مقدسہ کے قریب ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکانی راستے تلاش کر سکیں اور انہیں اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آئے۔

کیا ایسے سنگین خطرات کے باوجود سعودیہ کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے بے نیاز ہو کر محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ان فوجیوں

خلاف جو بھی اقدامات کر رہی ہیں ان کے ساتھ مسلم دشمنی اور عرب دشمنی کا جذبہ بھی شامل ہے اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ۱۹۶۷ء سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اسرائیلی مظالم کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کبھی آگے نہیں آیا، بلکہ اسرائیل کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا اور وہی امریکہ آج اچانک اتنا انصاف پسند اور اصول پرست کیسے بن گیا؟۔

کویت چھوڑنے کی عراقی پیش کش

امریکی و برطانوی دباؤ کو دیکھتے ہوئے صدام حسین نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ایک زبردست جوابی وار کیا کہ

"امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین و شام کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کردے تو عراق بھی کویت سے دست بردار ہو جائے گا"۔

اس حملہ سے مارگریٹ تھیچر اور جارج بش بوکھلا اٹھے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کے تار و پود بکھرتے نظر آئے۔ دوسری جانب کئی مسلم ممالک نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا۔ اور جگہ جگہ ان کی حمایت میں جلسہ و جلوس کا اہتمام کیا جانے لگا۔ جس نے عراق و کویت تنازعہ کو ایک نیا موڑ دیا۔

کویتی بحران کو "خلیجی تعاون کونسل" "عرب لیگ" اور اسلامی وزرائے خارجہ کی میٹنگیں طلب کرکے حل کیا جاسکتا ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ کی غیر ضروری دلچسپی دیکھ کر ہمیں "مقدمہ شاہ بانو" پر سپریم کورٹ کا فیصلہ یاد آگیا۔ اور پھر مسلمانانِ ہند کی عظیم الشان "تحریک تحفظ شریعت" کے وہ مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے کہ ایک طرف تو مسلمان اپنی جان و مال کی بازی لگاکر مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک چلا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ارون شوری اور بالا دیورس جیسے لوگ شاہ بانو کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے۔ اور اس کی ہر طرح کی حمایت و اعانت کے لئے بے چین تھے۔

تو کیا جس طرح ارون شوری اور بالا دیورس وغیرہ "شاہ بانو" کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہے تھے اور ان کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ ٹھیک اسی طرح "سعودیہ" کے غم میں امریکہ و برطانیہ وغیرہ دبلے نہیں ہوئے جارہے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ اور ہے گا

نہاں پردوں میں جو ہے چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے

برطانیہ اور آلِ سعود

اصل مسئلہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے بیسویں صدی کے ربع اوّل میں "عرب قومیت" کا نعرہ لگا کر صہیونی منصوبہ کے تحت ترکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکالا تھا۔ جس کی گواہی اس دور کی پوری تاریخ دیتی ہے۔

حجاز مقدس سے شریف حسین کی امارت کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا۔ اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبدالعزیز کو ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا سعودی ریال کے زیر سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستانی علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے۔ مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم کھا رکھی تھی۔ اور جب ان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں؟ تو ایک ترک مرد مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مرجانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرم محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

حدود حرم کے اندر جب آل سعود کا یہ حال تھا تو اس سے باہر انہوں نے قتل و غارت گری اور سفاکی و درندگی کے کیسے کیسے ہولناک کارنامے انجام دیئے ہوں گے؟

اس طرح بیسویں صدی کے ربع اول میں انگریزوں کے ظل عاطفت میں آل سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ جب کہ آل سعود کے تسلط کو حجازیوں نے نہ اس وقت دل سے تسلیم کیا اور نہ آج وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار ہو تو وہ حرمین شریفین میں اس سلسلے میں استصواب رائے کرکے خود صورت حال کی تحقیق کر سکتا ہے۔

اور اب بیسویں صدی کے ربع آخر میں آلِ سعود نے امریکی سامراج کا دامن تھاما

ہے تاکہ عالم اسلام کے ہاتھوں اپنا دامن تار تار ہونے سے بچایا جاسکے۔

حجاز پر صلیبی وصیہونی حملہ

اس وقت ریاض، دمام، ظہران جو علاقہ نجد میں واقع اور حرمین شریفین سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہیں۔ وہاں لگ بھگ ڈھائی لاکھ مسلح امریکی فوجی موجود ہیں۔ جس میں بعض ذرائع کے مطابق پچاس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ریگستانی ٹریننگ کی خدمت پر مامور ہیں۔

ایک معمولی آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ یہ ڈھائی لاکھ امریکی فوجیں اس وقت سعودی عرب پر ممکنہ عراقی حملہ کے دفاع کے لئے نہیں ہیں بلکہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔

اور امریکہ نے اپنے شکنجہ میں سعودی عرب کو اس بری طرح جکڑ رکھا ہے کہ عالم اسلام کی ناراضگی کے باوجود اپنے آقا امریکہ سے اس درخواست کی جرأت نہیں کر پا رہا ہے کہ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ اب آپ یہاں سے واپس تشریف لے جائیں کیونکہ ہم عالم اسلام سے فوجی امداد طلب کرکے اپنے دفاع کا انتظام کر رہے ہیں۔ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سعودیہ کے لئے ایسا کوئی قدم اٹھانا اب ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

ساری دنیا کے سیاسی وصحافتی حلقے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ "عظیم تر اسرائیل" کے خفیہ نقشے میں "خیبر" اور "مدینہ" بھی ایک مدت سے شامل کئے جا چکے ہیں۔ اور اخباری اطلاعات کے مطابق جب سعودی دعوت پر یہودی فوجیوں نے سرزمین سعودیہ پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے جب اس بات کے مواقع یہودیوں کو میسر آئے ہیں کہ وہ براہ راست جنگی نقطۂ نظر سے ان مقامات مقدسہ کے قریب ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکانی راستے تلاش کرسکیں اور انہیں اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آئے۔

کیا ایسے سنگین خطرات کے باوجود سعودیہ کو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے بے نیاز ہو کر محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ان فوجیوں

کو امکانِ منبر کہ سے پھیلنے اور ان پر دانت تیز کرنے کے ذرائع پیدا کرتا رہے۔

سعودی نواز علماء

سعودی عرب کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے لیکر ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی و مولانا منت اللہ رحمانی و مولانا اسعد مدنی وغیرہ تک ایک لمبی فہرست ایسے علماء کی ہے جنہوں نے یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ سعودی عرب کی دعوت پر امریکی فوجیوں کی آمد جائز و درست اور بالکل حق بجانب ہے اور اس خدمت کے لئے آل سعود نے رابطۂ عالم اسلامی کو بھی استعمال کیا ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے وہ سبھی مراکز و مدارس اور ان کے علماء اس کے جواز کی تصدیق و تائید میں سرگرم نظر آ رہے ہیں جو سعودی ریال سے ایک عرصہ سے فیض یاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

سعودی نواز علماء یہ کہنے اور لکھنے کو بڑا کارِ ثواب سمجھ رہے ہیں کہ صدام حسین ظالم ہے۔ محسن کش ہے۔ کویت پر عراقی جارحیت ناقابلِ برداشت ہے۔ یہ قبضہ وانضمام اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ جارحیت کی ابتداء عراق نے کی ہے۔ فلسطینی مسئلہ کو اس نے ٹھنڈا کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ کلمۂ حق کہنے کی ان کے اندر جرأت نہیں کہ بلا کسی سابقہ دعویٰ واستحقاق کے علاقہ نجد سے آکر شریف حسین کے خلاف حرمین شریفین کے اندر آل سعود نے بھی ۲۵-۱۹۲۴ء میں اسی طرح کی جارحیت کی تھی اور عالم اسلام کے زبردست احتجاج کے باوجود اس کی یہ جارحیت آج تک برقرار ہے۔

نہ وہ یہ کہہ پا رہے ہیں کہ اگر سعودیہ کو اپنے دفاع کی ضرورت تھی تو مسلم ممالک سے مدد لینی چاہئے تھی۔ اور اب وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ڈھائی لاکھ امریکن فوج کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے دن تک حالات کے سنبھل جانے کے بعد اسے واپس کر کے اس کی جگہ مسلم ممالک کی مشترکہ فوج رکھی جانی چاہئے۔

وہ یہ لب کشائی بھی نہ کر سکے کہ سعودیہ کے اندر مسلح یہود ونصاریٰ کا وجود حجاز مقدس کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ خدانخواستہ انہوں نے وقتی معاہدات کی

خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی طرف نگاہ اٹھائی تو عالم اسلام کا قبلہ اور حرم محترم بھی ان کی سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور مسلمان جو ابھی تک اپنے قبلہ اول کو آزاد نہ کرا سکے وہ اس دوسرے بحران میں مبتلا ہو کر اپنی مرکزیت اور اسلامی شان وشوکت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

ہندوستان کے سعودی نواز علماء کے برعکس پاکستانی علماء کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے قومی آواز دہلی نے یو این آئی کے حوالہ سے یہ خبر دی ہے:۔

"اسلام آباد سے شائع ہو رہے ایک سرکردہ اخبار "امروز" کے مطابق لاہور میں منعقد مذہبی لیڈروں کی ایک کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ سعودی عرب میں مقدس مقامات کا تحفظ صرف مسلمان کر سکتے ہیں اور کسی غیر مسلم یا امریکی کو وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے جمعیۃ علمائے اسلام اور جمعیۃ علمائے پاکستان نے سعودی عرب فوج بھیجنے کے فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک غیر اسلامی حرکت ہے۔ اخبار "ڈان" کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی فوج بھیجنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ (روزنامہ قومی آواز دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اور یو این آئی ہی کے حوالہ سے عالم اسلام کی مسلم تنظیموں کے وفد کی ایک سرگزشت پڑھئے۔ جس سے سعودیہ کی امریکہ نوازی اور امریکی فوج سے عالم اسلام کی شدید نفرت یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کھل کر ظاہر ہو جاتی ہیں:۔

"اسلامی وفد کے ایک قریبی ذرائع نے یہ بھی بتایا کہ سعودی قیادت نے امریکی افواج کی سعودی عرب میں آمد کے خلاف تنقیدوں پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ یہ وفد جن اسلامی تحریکوں کی نمائندگی کرتا ہے اگر ان میں سے کسی نے بھی امریکہ مخالف حملہ شروع کیا تو سعودی حکومت تمام لنک ختم کر دے گی"۔

اس ۲۱ رکنی وفد میں اردن، مصر، یمن، اور شام میں تنظیم الاخوان المسلمون کی شاخوں سوڈان کی تحریک اسلامی، تیونس کی تنظیم النہضۃ الاسلامی، پاکستان کی حزب اسلامی، ترکی کے رفاہ گروپ، ملیشیا کی اسلامی پارٹی، اور الجزائر کی تحریک الاصلاح والارشاد کے نمائندے شامل تھے۔ بنیادی طور پر ان تمام ہی تنظیموں نے سعودی عرب میں

جہاں اسلام کے مقاماتِ مقدسہ واقع ہیں غیر مسلم افواج کی آمد کی مخالفت کی ہے۔ اس وفد کی تشکیل اردن کی راجدھانی عمان میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ہوئی تھی۔ امریکہ نے اسے "شدت پسندوں کی کانفرنس" قرار دے کر اس کے انعقاد پر اردن حکومت کی تنقید کی تھی۔ (روزنامہ قومی آواز دہلی، ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

بڑے زور و شور کے ساتھ ایک عرصہ سے پوری دنیا میں اس کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ آلِ سعود کی حکومت نے اپنے ہم وطنوں کی معاشی خوشحالی و فارغ البالی اور حجاج و زائرین کی آسائش و راحت کے لئے بڑے زبردست اور بے نظیر انتظامات کئے ہیں۔ وہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں سب مطمئن اور پرسکون زندگی گزار رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

موجودہ حالات کے تحت ہم ان "پاکبازانِ امت" سے گزارش کریں گے کہ وہ وہاں کی محبوس و مقید زندگی کا کچھ ذائقہ چکھنا چاہتے ہوں تو ذرا مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ، یا طائف وجدہ کہیں بھی ۱۶ ستمبر ۱۹۹۰ء جیسی کوئی "تحفظ حرمین کانفرنس" کر کے اس کا اندازہ کرلیں۔ بلکہ اس کا اعلان ہی کر کے دیکھ لیں کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر وہ سعودیہ میں رہ کر ایسی "خطرناک غلطی" کریں گے تو فوراً سعودیہ بدر کر دیا جائے گا۔ اور اگر دہلی میں بیٹھ کر یہ اعلان جاری ہوگا تو انہیں جدہ یا ریاض ائرپورٹ سے آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا۔ بلکہ اس سے پہلے ہی سعودی سفارت خانہ ان کا ویزا ہی نہیں جاری ہونے دے گا۔

اور یہ سب کچھ صرف اس خطرہ کے پیش نظر ہوگا کہ آج تو یہ کانفرنس ہمارے حق میں ہونے والی ہے۔ جس میں حریت فکر اور اظہار خیال کی آزادی ہوگی۔ لیکن کل یہی حریت فکر اور آزادیٔ خیال ہمارے لئے وبال جان نہ بن جائے۔ اور ان کی زبان و قلم پر لگا ہوا پہرہ کل خود ہمارے لئے سوہان روح بنکر ہمارے چہرے کی نقاب نہ الٹنے لگے۔ اس لئے ان سے ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ،

ماضی کے اوراق

آل سعود نے سرزمین حجاز پر اپنے اقتدار کی بنیاد رکھنے اور اسے مستحکم کرنے کے لئے جن بدعنوانیوں، بے اصولیوں، وعدہ خلافیوں اور سفاکیوں کو روا رکھا ہے۔ انہیں جاننے کے لئے جب ہم ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں تو تاریخ کے صفحات یہ شہادت دیتے ہیں کہ کتاب وسنت کے نام پر آل سعود نے اپنی دنیاداری وحکمرانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے وہ ساری تدابیر اختیار کی ہیں جو کوئی بھی غاصب اور حملہ آور فوج اپنے مفتوحہ علاقہ کو زیر کرنے اور اس پر قبضہ وتسلط جمانے کے لئے جائز اور روا رکھ سکتی ہے۔

تبصرہ وتجزیہ سے آگے بڑھ کر آئیے اور دیکھئے کہ تاریخی حیثیت سے مقامات مقدسہ اور اہل حجاز کے ساتھ آل سعود نے کیسا گھناؤنا سلوک کیا ہے۔ اور اس کا ماضی کتنا داغدار اور قابلِ مذمت رہ چکا ہے۔

طائف

علامہ سیدابراہیم الراوی الرفاعی لکھتے ہیں "سلطانِ نجد نے طائف پر قبضہ کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ ان مقتولین میں بہت سے علمائے کرام مثلاً سید عبداللہ الزوادی مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ، شیخ عبداللہ ابوالخیر قاضی مکہ، شیخ مراد قاضی طائف، سید یوسف الزوادی (جن کی عمر تقریباً اسّی سال تھی) شیخ حسن الشیبی، شیخ جعفر الشیبی وغیرہم ہیں۔ انہیں امان دینے کے باوجود ان کے دروازوں پر ہی انہیں ذبح کر ڈالا۔ (ترجمہ از عربی ص ۳، الاوراق البغدادیہ مطبعۃ النجاح بغداد)

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی قدس سرہٗ کی قیادت میں مسلمانان ہند نے جمعیۃ خدام الحرمین کے نام سے لکھنؤ میں جو ایک تنظیم قائم کی تھی اس نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں نجدی مظالم کی تحقیقات کے لئے ایک وفد بھیجا۔ جس کے ارکان یہ تھے۔ (۱) سید محمد حبیب مدیر جریدۂ سیاست لاہور (۲)، مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (۳)، میاں عبدالعزیز تاجر دکن (۴)، مولانا فضل اللہ خاں مدیر جریدہ رسالت بمبئی۔

اس وفد نے مظالم طائف کے یہ عینی مشاہدات پیش کئے۔

ہر شخص یہاں تک کہ خود ابن سعود اور حافظ وہبہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ طائف میں کچھ
امان کا وعدہ دے کر داخل ہوئے۔ انہوں نے شہر کو لوٹا۔ مسلمانوں کو امان اللہ
وامان واس مین سعود کہہ کر بالاخانوں سے اتروایا، جیسے ہی ان مسکینوں نے دروازے
کھولے انہیں گولی مار دی۔ عورتوں کو مجبور کیا کہ مقتول خاوند، باپ بھائی اور بیٹوں
کی لاشیں خود اٹھا کر باہر پھینکیں۔ جس نے انکار کیا یا صلّ علی الرّسول کہا یا خاتم
اللہ والرّسول کہا وہ خود قتل ہوئی۔ (رپورٹ جمعیۃ خدام الحرمین)

جنّت المعلّیٰ مکّہ مکرّمہ

خلافت کمیٹی نے اپنا جو وفد بھیجا وہ ان ارکان پر مشتمل تھا مولانا عبدالماجد بدایونی (۲) سید سلیمان ندوی (۳) مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور (۴) مولانا محمد عرفان (۵) سید خورشید حسن (۶) شعیب قریشی۔

اس وفد نے مسلمانان ہند کو یہ اطلاع دی "مکہ میں جنت المعلیٰ کے مزارات شہید کر دیئے گئے۔ مولد النبی (جس مکان میں سرور عالم کی ولادت ہوئی تھی) توڑ دیا گیا ہے (ص ۲۲، رپورٹ خلافت کمیٹی)

شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور لکھتے ہیں۔

جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل ترین قبرستان ہے۔ منیٰ کے راستے پر مسجد حرام سے ایک میل دور ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں، سب نشانات مٹا دیئے گئے ہیں، ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں، چراغ نہ پھول، عجیب ویرانہ ہے۔ جس حصے میں حضرت اسماء، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت امام ابن جُبیر اور سعید بن مسیب کی قبریں ہیں وہاں اندر جانے کے لئے ایک دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کے لئے نہیں بلکہ نئی میتوں کے لئے ہے اور جس حصے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے افراد خاندان آرام فرما ہیں یا حضور کے چچا ابو طالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور راستہ نہیں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہو گئی ہیں۔ کسی

تو دہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں، دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی حالت میں نہ ہوگا۔ (ص ۱۰۲ شب جائیکہ من بودم)

ماہر القادری مدیر فاران کراچی نے ۱۹۵۴ء میں حج سے واپسی کے بعد اپنے سفرنامہ "کاروانِ حجاز" میں لکھا۔

جنت المعلیٰ کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ اس میں صحابہ کرام تابعین عظام اور اکابر اولیا آسودہ ہیں۔ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کو چھوڑ کر ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ اونٹوں اور دنبوں کی مینگنیاں نظر آتی ہیں۔ یہ تو ان نفوس قدسیہ کی قبریں ہیں جو ہم سب کے مخدوم اور محسن ہیں۔ عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں ——

(بحوالہ ماہنامہ معارف دار المصنفین اعظم گڈھ جون ۱۹۷۸ء)

جنت البقیع مدینہ منورہ

خلافت کمیٹی کے وفد ۱۹۲۶ء نے جنت البقیع کے منہدم مزارات کے بارے میں اس طرح خبر دی تھی۔ ۲۱، مئی کو اکبری جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس وقت سب سے پہلے جو وحشت ناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے انہدام کی تھی لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تأمل کیا۔ اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو وعدہ دے چکے تھے کہ مدینہ منورہ کے مزارات و مآثر کو اپنی اصلی حالت پر رکھیں گے۔ لیکن جدہ پہونچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے تصدیق کی ——

(ص ۸۵ رپورٹ خلافت کمیٹی)

شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

"جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن ہے۔ شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آرام گاہ اور ان گنت شہدائے کرام، صلحائے امت، اور اکابر دین کے سفر آخرت کی منزل ہے۔ ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے۔ (شب جائیکہ من بودم)

مدینہ طیبہ کے منہدم مزارات | وفد خلافت کمیٹی نے مدینہ طیبہ کے منہدم مزارات مبارکہ کی جو تفصیلات درج کی ہیں

ان کی ایک مختصر فہرست دل پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیں ۔

ا ۔ مزاراتِ شہزادیان خاندان نبوت ، بنت رسول حضرت سیّدہ فاطمہ ، بنت رسول حضرت ام کلثوم ، بنت رسول حضرت زینب ، بنتِ رسول حضرت رقیہ ، حضرت فاطمہ صغریٰ بنت حضرت امام حسین شہید کربلا ۔

ب ۔ مزاراتِ ازواج مطہرات ۔

حضرت عائشہ صدیقہ ، حضرت زینب ، حضرت حفصہ وغیرہا کل نو ازواج مطہرات ،

ج ۔ مزاراتِ مشاہیر اہل بیت ۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ ، سر مبارک حضرت امام حسین شہید کربلا ، حضرت امام زین العابدین جگر گوشہ رسول حضرت ابراہیم ، عم النبی حضرت عباس ، حضرت امام جعفر صادق ، حضرت امام محمد باقر ۔

د ۔ مزاراتِ مشاہیر صحابہ و تابعین ۔

حضرت عثمان غنی ، حضرت عثمان بن مظعون ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ، حضرت سعد بن وقاص ، حضرت امام مالک ، حضرت امام نافع رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ———

(ص ۸۰ تا ۸۹ رپورٹ خلافت کمیٹی)

مساجد کا انہدام | مساجد کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کے جانگداز حادثات اس وفد خلافت کی زبانی سنئے ۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک

چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں ۔ اور مزارات کے قبوں کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں ۔

مدینہ میں منہدم مساجد کی تفصیل یہ ہے مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا ، مسجد ثنایا (جہاں سرکار کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے) مسجد منارتین ، مسجد مائدہ (جہاں سورۂ مائدہ نازل ہوئی تھی) مسجد اجابہ ، (ص ۸۸ رپورٹ وفد)

انہدام گنبد خضرا کا قیامت آشوب منصوبہ

آل سعود کے مذہبی سرپرست شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں شیخ احمد بن علی بصری شافعی لکھتے ہیں۔

اس کا کہنا تھا کہ اگر مجھے حجرۂ رسول (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر قبضہ و تصرف کا موقع ملے تو میں اسے ڈھا دوں گا۔" (عربی سے ترجمہ فصل الخطاب)

نجد و حجاز سے متعلق سید محمد رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار مصر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے ص ۱۱۲، ۱۱۳ پر آل سعود اور گنبد خضرا کے تعلق سے عربی میں لکھی گئی عبارت کا ترجمہ یہ ہے ——— "کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ انہوں نے (اہل نجد نے) حرم نبوی کے قبہ کے اوپر سے سونے کا ہلال اور کرہ اتار لیا تھا۔ اور وہ قبہ بھی گرانا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے کارکنوں میں سے ہلال اور کرہ کو اتارنے کے لئے اوپر چڑھنے والے دو آدمی نیچے گر کر مر گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ کو ڈھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔"

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ جب سعد الحسین کی اس تجویز کا دنیا کو علم ہوا کہ گنبد خضرا کو توسیع مسجد نبوی کے موقع پر ڈھا دیا جائے یا مسجد نبوی کی تعمیر ہونے والی بلند و بالا عمارت کے حصار میں لے کر اسے چھپا دیا جائے تو ہند و پاک، بنگلہ دیش، افغانستان ایران، ترکی، برطانیہ، عراق، شام، مصر، مراکش وغیرہ کے ہزاروں علماء و فضلاء اور جمہور امت مسلمہ نے اس قیامت آشوب تجویز کے خلاف عالمی پیمانے پر احتجاجات کئے۔ اپنے اپنے ملک میں سعودی سفیروں سے ملاقاتیں کیں، اور زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ ترکی پارلیمنٹ نے اس تجویز کے خلاف ایک قرارداد پاس کر کے مسلمانان عالم کے جذبات کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن شاہ خالد بن عبدالعزیز نے جو اس وقت حکمران تھے ان کی حکومت نے سعد الحسین کو کوئی سزا دے کر جیل خانہ تک پہونچایا نہ ہی ہفت روزہ الدعوۃ جس میں یہ تجویز چھپی تھی اس پر کوئی مقدمہ چلایا گیا۔

فاضل مدیر ماہنامہ المیزان لکھتے ہیں۔

"عالی جناب غلام محمود بنات والا ایم پی نے مجھے بتایا کہ مسلم لیگ کے ایک وفد نے

سعودی سفیر مقیم دہلی سے ملاقات کی اور گنبد خضرا کے تعلق سے مسلمانانِ ہند کی بے چینی سے آگاہ کراتے ہوئے اصل واقعہ سے آگاہی چاہی۔ تو سفیر موصوف نے یہ تو کہا کہ حکومتِ سعودیہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے اور یہ کہ ایسی تجویز الدعوۃ میں ایک فرد کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ لیکن ہماری حکومت کے سامنے انہدام گنبد خضرا کا کوئی منصوبہ نہیں۔

مسلم لیگی قائد نے سعودی سفیر سے کہا کہ آپ اس بات کی تردید کر دیں تاکہ مسلمانوں کو اطمینان ہو جائے۔ اس پر سفیر صاحب نے کہا ہم تردید نہیں کر سکتے۔ ہم سفیر ہیں ویسے ہندوستان سے آئے ہوئے احتجاجی میمورنڈم، مراسلات، برقی پیغامات، سبھی حکومتِ سعودیہ عربیہ کو روانہ کر رہے ہیں۔ جب تک ہماری حکومت کی جانب سے حکم نہیں ملے گا ہم تردید نہیں کر سکتے۔

حکومتِ سعودیہ کی پُر اسرار خاموشی اور سعودی سفیر کا تردید سے انکار صاف بتا رہا ہے کہ دال میں کالا ضرور ہے۔ حکمرانوں کا مزاج ہی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ رائے عامہ کے خوف سے جس بات کو وہ خود نہیں کہہ سکتے اس کے لئے حمید دلوائیوں کو پیدا کر دیتے ہیں ——— (ماہنامہ المیزان بمبئی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۸ء)

سعد الحصین کی تجویز کی اصل عبارت راقم سطور کے پاس موجود و محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(الف) ان میں سب سے عظیم و قدیم بدعت و فتنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں اصحاب (ابوبکر صدیق و عمر فاروق) رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی قبروں کو مسجد نبوی کے اندر داخل کرنا ہے۔ (ص ۴، ہفت روزہ الدعوۃ ۹ / ۸ / ۱۳۹۷ھ ابن خلدون روڈ ریاض)

(ب) ...... مسجد نبوی کے مغربی حصے کی توسیع کے وقت جلد ہی اس میں تبدیلی کا موقع ملے گا۔ اور مسجد نبوی کے پورے مشرقی حصے کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔ جیسے بعد دورِ رسالت و خلفائے راشدین میں مسجد نبوی کے مشرقی حدود جس طرح تھے انہیں اسی طرح کر دیا جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ گنبد خضرا اور نقوش و چادر کو گرا کر ختم کر دیا جائے یا انہیں ڈھک دیا جائے۔ (ص ۶، مذکورہ الدعوۃ)

تجربات شاہد ہیں کہ حکومتِ سعودیہ کے مذہبی وعدے بھی سیاسی وعدے ہی ثابت ہوئے۔ اس لئے عالمِ اسلام کا خوف و اندیشہ بالکل حق بجانب ہے کہ آلِ سعود کو جب بھی موقع ملے گا وہ گنبدِ خضرا کے تعلق سے اپنے پوشیدہ عزائم کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

واجب الایفا وعدوں کی پامالی

وفد خلافت کمیٹی کے ارکان لکھتے ہیں۔ "بہر حال حالات و واقعات کچھ بھی ہوں، سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفا وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دیئے گئے۔ (ص ۸۸ رپورٹ)

گنبدِ خضرا و مقاماتِ مقدسہ کو نقصان پہونچانے کی سعودی کوششوں کی تحقیق کیلئے ایران کا ایک اعلیٰ سرکاری وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا۔ جس سے ہندوستانی وفد کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔ "معلوم ہوا کہ سلطان ابن سعود نے سفیر ایران کے ذریعہ حکومت ایران کو تحریری وعدہ دیا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کے منہدم مقابر و مآثر کو کوئی تعمیر کرنا چاہے تو سلطان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ امسال حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید تصدیق ہوئی۔ (ص ۸۷، نگارشاتِ محمد علی)

مولانا شوکت علی کے نام سلطانِ نجد عبدالعزیز بن سعود نے یہ تار دیا تھا۔

"اسلامی مزارات خصوصاً صحابہ کے مزارات ہمارے لئے بہت زیادہ قابلِ احترام ہیں آپ اطمینان رکھیں ہماری فوجیں مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی"۔

(ص ۲۸، نگارشاتِ محمد علی)

مآثرِ اسلامیہ کی تاریخی و مذہبی حیثیت

شورش کاشمیری اپنے جذبات و تأثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ "سعودی عرب نے عہدِ رسالت کے آثار، صحابۂ کرام کے مظاہر اور اہلِ بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہیئے تھیں وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں۔ لوگ بتاتے ہیں اور ہم مان لیتے ہیں۔۔

حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا باقی رکھنا بدعت ہے، عقیدۂ توحید کے منافی ہے، سنتِ رسول کے خلاف ہے، لیکن عصر حاضر کی ہر بدعت جدہ ہی نہیں پورے حجاز میں ہے۔ بلکہ بڑھ پھیل رہی ہے۔ کیا قرآن و سنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ (ص ۲۲، شب جائے کہ من بودم)

آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی تو آثار ہیں۔ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں۔ مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہونچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے؟ جمرۃ العقبہ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں جو رسمیں وہاں کی جاتی ہیں مظاہر ہیں۔ انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا۔ تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہونچا اور جس نے یہ ملت تیار کی اس عالیشان پیغمبر کا مولد و مسکن، اس کی دعوت کے مراکز و منازل اور نزولِ وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کئے جائیں؟ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟۔

یہ سب یادگاریں ان انسانوں کی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابدالآباد تک کیلئے موڑ کر زندۂ جاوید ہوگئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک کے لئے زندہ رہے گا۔۔۔ جن کے لئے تمام عزتیں ہیں جو حضور کے اہلِ بیت تھے۔ وجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتے پھرتے دیکھتا ہے ان کے آثار محفوظ نہ رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ رکھی جائے گی؟۔ (ص ۰، شب جائے کہ من بودم)

عربوں کو جس تاریخ پر ناز ہے۔ بلکہ جس تاریخ نے شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ یا حرم نبوی ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزوات نبی نے دوام بخشا اور کفار مکہ ڈھیر ہوگئے۔ تاریخ کے یہ بڑا ذاس طرح نہیں رہنے چاہئیں کہ علم کے اس زمانے میں مٹ جائیں۔

آخر عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں وہاں کیا نہیں کرتے؟ اور کیا نہیں لاتے؟ وہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے بادشاہوں کی قتل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں۔ روما نے وہ تماشاگاہ محفوظ کرلی ہے۔ جہاں شاہان روم وحشت کے دور میں درندوں سے انسان کی چیر پھاڑ کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ برلن میں روس نے

اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں۔ انگلستان قدامت کا گھر ہے۔ وہ اپنے شاہوں کی پُرانی یادگاریں سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ شاہ کا محل اور وزیر اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اس کی پرانی تاریخ ہے جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے۔ کیا یہ چیزیں عبادت گاہ بن گئی ہیں؟ جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک گمراہ و معتوب ہیں۔ اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب و ہوا میں ہوئی ہے وہ ان آثار قدیمہ کو کیسے عبادت گاہ بنالیں گے؟ جہاں بیت اللہ اور گنبد خضرا ہوں وہاں اور کون سی جگہ جبین نیاز کی سجدہ گاہ ہوگی؟ (شب جائیکہ من بودم)

آل سعود کے اندر اتنی تخریبی قوت کہاں سے پیدا ہوئی کہ اس نے حجاز مقدس کے مسلمانوں اور ان کے آثار مبارکہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس کی نشان دہی تاریخ کے اوراق سے اس طرح ہوتی ہے۔

معاہدہ شیخ نجدی و آلِ سعود

مذہبی گمراہوں کی ایک جماعت قرامطہ تھی۔ جس نے ۹۳۰ء میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے حجر اسود اٹھا لے گئے جسے بائیس سال کے بعد واپس کیا۔ تحریک وہابیت کے بانی و داعی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے سب سے پہلے اسی جماعت کی باقیماندہ نسل کا سہارا لیا۔ اس کے بعد حیرت انگیز انکشاف غیر مقلدین ہند کے معتمد و مشہور عالم و فاضل نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی زبانی سنیئے۔

"جب محمد بن عبدالوہاب نے وہابی مشن ظاہر کیا اور قرامطہ اس سے دور ہونے لگے تو اس نے (محمد) بن سعود کے دامن میں پناہ لی۔ (محمد) بن سعود نے اس کی دعوتِ وہابیت کو قبول کیا۔ اور اس کی تائید و حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ (محمد) بن سعود کو ابن عبدالوہاب نجدی نے یہ فریب دیا اور لالچ دی کہ وہ اسے بلاد نجد کا حکمراں بنا دے گا۔ یہ واقعہ ۱۷۶۰ء کا ہے۔ اور (محمد) بن سعود کی شادی ابن عبدالوہاب نجدی کی لڑکی سے ہوئی:"

(ص ۲۰۰، التاج المکلل عربی سے ترجمہ)

مسلمانانِ ہند کی اجتماعی کوششوں کو ہمیشہ سبوتاژ کرنے والے قائدِ ملّی

مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کے والد مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اسی شیخ نجدی کے بارے میں رقم طراز ہیں :-

"صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی میں نجد سے ظاہر ہوا۔ اور چونکہ خیالات باطلہ وعقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل وقتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی دعوت دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کو باعث ثواب ورحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہونچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ ومکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔" (ص ۴۲، الشہاب الثاقب)

بہرحال زن، زر اور زمین کی بنیادی دفعات پر شیخ ابن عبدالوہاب نجدی ومحمد بن سعود کا معاہدہ ہوا۔ اور اسی پالیسی پر ان کی آنے والی نسلیں بھی عمل کرتی رہیں۔

معاہدۂ برطانیہ وآل سعود

مغربی مؤرخ اسٹینلے لین پول عرب قومیت کی بنیاد پر ترکوں سے عرب کی بغاوت کے بارے میں لکھا ہے

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخرش بارآور ہوئیں۔ اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں عرب نیشنلزم (قومیت) کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لاکر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کردیا۔ (ص ۴۸، سلاطین ترکیہ)

"مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہوجائیں تو انگریز نے حفظ ماتقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کرلیا ہے اور وہ ہے ابن سعود" (تاریخ نجد وحجاز، ص: ۱۹۲)

سعودی بلاک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم ومفکر مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم

ندوۃ العلماء لکھنؤ اس موضوع پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں :۔

قومیت پرستوں کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے۔ جن کی پوری تاریخ اور جنکے خطاکار ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے اور مکروہ جرائم میں ملوث ہیں! ان علمبرداران قومیت نے انگریزوں سے یہ ساز باز گوارہ کرلیا۔ مگر ان مسلم ترکوں کے ساتھ رہنے سے انکار کردیا جنہوں نے پانچ صدیوں تک یورپ میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ اور اعدائے اسلام کو لرزہ براندام کردیا تھا۔ ترک اپنی کمزوریوں کے باوجود اسلام اور اس کی شوکت وعظمت کا نشان تھے۔ قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب وسنت کے ان نصوص قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے، جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ رہ کر جنگ ومقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے صرف ان دلکش سیاسی وعدوں پر اعتبار کرلیا جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور جس سیاسی شریعت میں مصلحت کو صحیفۂ آسمانی اور قوت کو معبود سمجھا جاتا ہے"[1]

مگر حیرت ہے کہ آج یہی علی میاں ایک مسلم ملک عراق کے خلاف امریکی وبرطانوی فوج کی مدد لینے پر سعودی عرب کی وکالت فرما رہے ہیں، جس کی تائید میں مولانا منت اللہ رحمانی ومولانا اسعد مدنی وغیرہ سرگرم عمل ہیں۔ ع این چہ بوالعجبی ست؟۔

نجد کے توحید پرستوں اور برطانیہ کے تثلیث پرستوں کے درمیان ہونے والا مندرجہ ذیل معاہدہ ۱۹۱۵ئ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا جس کی ۱۹۲۰ئ میں بھی تصدیق وتوثیق ہوئی۔ چشم عبرت کھول کر یہ معاہدہ پڑھئے جسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ہے۔

دفعہ اوّل: حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد، احساء، قطیف، جبیل، اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہوگی یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں۔ اور حکومت برطانیہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خود مختار حکومت ہے۔ اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے۔ ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے

---

[1] عربی سے ترجمہ ص: ۹۔ العرب والاسلام، مطبوعہ: بیروت۔

انتخاب و تقرر کی یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنت برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدۂ ہذا کے بھی خلاف نہ ہو۔

دفعہ دوم: اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومتِ برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر یا اس کو ابن سعود سے مشورہ کرنے کی فرصت دیئے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی۔ اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

دفعہ سوم: ابن سعود اس معاہدہ سے راضی ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے کہ۔

(۱) وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

(۲) ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومتِ برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم: ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں۔ اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرف کا مجاز نہ ہوگا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔

ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ہر ارشاد کی تکمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہے یا موافق۔

دفعہ پنجم: ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کے لئے جو راستے اسکی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں وہ باقی رہیں گے۔ اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے میں ان کی حفاظت کرے گا۔

دفعہ ششم: ابن سعود اپنے پیشرو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات

کویت، بحرین، رؤسا و شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات سے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہوگی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

دفعہ ہفتم: اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے باہمی معاملات کے لئے ایک اور مفصل عہدنامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مورخہ ۱۸ر صفر ۱۳۳۴ھ / ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء

مہر و دستخط عبدالعزیز السعود، دستخط پی ریڈ کاکس وکیل معاہدہ ہذا و نمائندہ برطانیہ، خلیج فارس، دستخط چیمسفورڈ نائب معظم وائسرائے ہند۔

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ر مئی ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط اے ایچ گرانٹ سکریٹری حکومتِ ہند شعبۂ خارجیہ و سیاسیات،

جمہوری اور شورائی نظام کا مطالبہ

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی کا جو بین الاقوامی اجلاس ہوا اس وفد میں خلافت کمیٹی نے شخصی اور موروثی نظام حکومت کی مخالفت کی۔ اور عالم اسلام کے نمائندوں کے سامنے سعودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے کہا۔

"ہم اسی کتاب و سنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر و کسریٰ کی بجائے صدیق و فاروق کی سنت اختیار کیجئے"۔

۳۱ر مئی ۱۹۲۶ء کو مولانا جوہر نے مذکورہ اپیل کی اور پھر حجاز مقدس میں نظام حکومت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے خلافت کمیٹی نے اپنی یہ رائے پیش کی۔ "ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت قائم نہ ہو۔ حکومت کسی خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو۔ حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حکومت شوریٰ اور جمہوری ہو"۔

وفد خلافت کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تنقید بھی بالکل حق بجانب ہے:۔

"موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا تو اس کے یہی معنی نہ ہوں گے کہ ایک نجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہوگئی بلکہ ایک بڑی حد تک اس

کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک ایسی قوم پر ہوگی جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر (یعنی نجدی قوم حجازی قوم کو) بلکہ شرک کے عظیم گناہ کی مجرم سمجھتی ہے۔ اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح چاہے سزا دے لے"۔

"ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگا۔ اور شخصی و قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد و عبادات کے تصادم کا اندیشہ بھی رہے گا"۔ (رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

موجودہ سعودی عرب میں نجد کا علاقہ جس میں ریاض، دمام، ظہران وغیرہ اور حجاز کا علاقہ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، طائف اور جدہ وغیرہ واقع ہیں۔ یہ دونوں علاقے اپنی آب و ہوا کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ اور دونوں کے باشندوں کی عادات و خصوصیات بھی الگ الگ ہیں۔ نجدی قوم سخت مزاج اور جنگ جو ہے۔ جبکہ حجازی عموماً نہایت نیک دل شریف اور امن پسند ہیں۔ ریاض جو اس وقت سعودی عرب کا پایۂ تخت ہے اس سے بالکل ہی متصل درعیہ ہے جو آل سعود کا آبائی وطن ہے۔ یہاں سے مدینہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہے اور اتنی دوری سے حرمین شریفین پر قبضہ و تسلط اور ان کے سارے امور و معاملات کی باگ ڈور اہل نجد یعنی آل سعود کے ہاتھ میں ہونا اہل حجاز کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لئے آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ خود ابن سعود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حرمین شریفین کو اہل حجاز کے حوالے کر دے گا۔ لیکن آج تک اس وعدے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اہل حجاز کے دلوں میں اندر ہی اندر کافی ناراضگی پائی جاتی ہے۔ اور اس کا اظہار اس طرح وہ کرتے ہیں کہ مجلس شوریٰ کے قیام کا حکومت سعودی عرب سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور حکومت اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی کرتی رہتی ہے۔

ابھی چند سال بیشتر کی بات ہے کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا۔ اور مدینہ یونیورسٹی کے طلبا و اساتذہ سے خطاب کیا۔ اس کے بعد سامعین و حاضرین کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ چاہیں تو ان سے کچھ سوالات کر سکتے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے

ایک استاد جو وہیں کے باشندہ بھی تھے انہوں نے سارے حاضرین کی جانب سے دس پندرہ سوالات کئے جن کے جوابات شاہ فہد نے خود دیئے۔ بعد میں یہ سوالات وجوابات کتابچہ کی شکل میں تقسیم بھی ہوئے اور سعودی ٹیلی ویژن پر یہ پوری کارروائی دکھائی گئی۔

ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ مجلس شوریٰ جس کے بارے میں حکومت سے وعدہ کیا جا چکا ہے اسے کب تک عملی شکل دی جائے گی؟ جس کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ ہماری حکومت اس موضوع پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی اس پر کارروائی ہوگی تاکہ وطن کی ہر قوم کی نمائندگی اس کے اندر ہو سکے۔

لیکن اس وقت ٹیلی ویژن دیکھنے والے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا کہ اس سوال پر عبداللہ بن عبدالعزیز وزیر دفاع کے چہرے پر ناگواری کے کیسے اثرات تھے۔ اور اس وعدے کے سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہو سکی اسے ساری دنیا جانتی ہے۔

حجاز کے علماء و شیوخ کو حکومت سے اس بات کی بھی سخت شکایت ہے کہ حرمین طیبین کے مذہبی معاملات کی ذمہ داری بھی عام طور پر علمائے نجد ہی کے سپرد ہے۔ اس کے خلاف وہ حکومت کو برابر متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آل سعود کا اثر اور اس کا خوف اتنا غالب ہوتا ہے کہ علمائے حجاز کے لہجے میں بے چینی و اضطراب اور احتجاج کی بجائے مسکینی و بے چارگی کا عنصر حاوی ہوتا ہے۔ مذہبی مسائل میں آل شیخ ابن عبدالوہاب نجدی اور سرکاری مفتی شیخ بن باز کا حکم حجاز میں بھی چلتا ہے اور ان کے حکومتی نفوذ و رسوخ کے سامنے حرمین طیبین کے مقامی علماء و شیوخ عاجز و بے بس نظر آتے ہیں۔

اہلِ حجاز اور عالم اسلام کو طفل تسلیاں

۲۲ر نومبر ۱۹۲۴ء کو تار کے ذریعہ ہندوستان کی خلافت کمیٹی کے نام حکومتِ آل سعود نے یہ خبر بھیجی کہ سلطان بن عبدالعزیز نے حرم محترم کی پالیسی سے متعلق ایک تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی۔ چونکہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے اس لئے وہاں

کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک ایسی قوم پر ہوگی جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر (یعنی نجدی قوم حجازی قوم کو) بلکہ شرک کے عظیم گناہ کی مجرم سمجھتی ہے۔ اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح چاہے سزا دے لے۔"

"اِن حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگا۔ اور شخصی و قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد و عبادات کے تصادم کا اندیشہ بھی رہے گا"۔ (رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

موجودہ سعودی عرب میں نجد کا علاقہ جس میں ریاض، دمام، ظہران وغیرہ اور حجاز کا علاقہ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، طائف اور جدہ وغیرہ واقع ہیں۔ یہ دونوں علاقے اپنی آب وہوا کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ اور دونوں کے باشندوں کی عادات و خصوصیات بھی الگ الگ ہیں۔ نجدی قوم سخت مزاج اور جنگ جو ہے۔ جبکہ حجازی عموماً نہایت نیک دل شریف اور امن پسند ہیں۔ ریاض جو اس وقت سعودی عرب کا پایہ تخت ہے اس سے بالکل ہی متصل درعیہ ہے جو آل سعود کا آبائی وطن ہے۔ یہاں سے مدینہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہے اور اتنی دوری سے حرمین شریفین پر قبضہ و تسلط اور ان کے سارے امور و معاملات کی باگ ڈور اہل نجد یعنی آل سعود کے ہاتھ میں ہونا اہلِ حجاز کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لئے آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ خود ابن سعود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حرمین شریفین کو اہل حجاز کے حوالے کردے گا۔ لیکن آج تک اس وعدے کی تکمیل نہ ہوسکی۔ اہل حجاز کے دلوں میں اندر ہی اندر کافی ناراضگی پائی جاتی ہے۔ اور اس کا اظہار اس طرح وہ کرتے ہیں کہ مجلسِ شوریٰ کے قیام کا حکومت سعودی عرب سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور حکومت اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی کرتی رہتی ہے۔

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا۔ اور مدینہ یونیورسٹی کے طلباء و اساتذہ سے خطاب کیا۔ اس کے بعد سامعین و حاضرین کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ چاہیں تو ان سے کچھ سوالات کرسکتے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے

ایک استاد جو وہیں کے باشندہ بھی تھے انہوں نے سارے حاضرین کی جانب سے دس پندرہ سوالات کئے جن کے جوابات شاہ فہد نے خود دیئے ۔ بعد میں یہ سوالات و جوابات کتابچہ کی شکل میں تقسیم بھی ہوئے اور سعودی ٹیلی ویژن پر یہ پوری کارروائی دکھائی گئی ۔

ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ مجلس شوریٰ جس کے بارے میں حکومت سے وعدہ کیا جا چکا ہے اسے کب تک عملی شکل دی جائے گی ؟ جس کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ ہماری حکومت اس موضوع پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی اس پر کارروائی ہوگی تاکہ وطن کی ہر قوم کی نمائندگی اس کے اندر ہو سکے ۔

لیکن اس وقت ٹیلی ویژن دیکھنے والے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا کہ اس سوال پر عبداللہ بن عبدالعزیز وزیر دفاع کے چہرے پر ناگواری کے کیسے اثرات تھے ۔ اور اس وعدے کے سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہو سکی اسے ساری دنیا جانتی ہے ۔

حجاز کے علماء و شیوخ کو حکومت سے اس بات کی بھی سخت شکایت ہے کہ حرمین طیبین کے مذہبی معاملات کی ذمہ داری بھی عام طور پر علمائے نجد ہی کے سپرد ہے ۔ اس کے خلاف وہ حکومت کو برابر متوجہ کرتے رہتے ہیں ۔ لیکن آل سعود کا اثر اور اس کا خوف اتنا غالب ہوتا ہے کہ علمائے حجاز کے لہجے میں بے چینی و اضطراب اور احتجاج کی بجائے مسکینی و بے چارگی کا عنصر حاوی ہوتا ہے ۔ مذہبی مسائل میں آل شیخ ابن عبدالوہاب نجدی اور سرکاری مفتی شیخ بن باز کا حکم حجاز میں بھی چلتا ہے اور ان کے حکومتی نفوذ و رسوخ کے سامنے حرمین طیبین کے مقامی علماء و شیوخ عاجز و بے بس نظر آتے ہیں ۔

اہلِ حجاز اور عالم اسلام کو طفل تسلیاں

۲۲ رنومبر ۱۹۲۴ء کو تار کے ذریعہ ہندوستان کی خلافت کمیٹی کے نام حکومتِ آل سعود نے یہ خبر بھیجی کہ سلطان بن عبدالعزیز نے حرم محترم کی پالیسی سے متعلق ایک تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

"آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا ۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی ۔ چونکہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے اس لئے وہاں

کی پالیسی دنیائے اسلام کی پالیسی کے مطابق ہوگی۔ہم جملہ مسلمانان عالم کے نمائندگان کی ایک کانفرنس مکہ میں منعقد کریں گے۔اور اس مسئلے پر رائے دی جائے گی جس سے بیت اللہ شریف گناہوں سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔ (ص ۲۴۷، تاریخ نجد وحجاز)

مسلمانان ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے خلافت کمیٹی کے وفد نے بھی آل سعود سے یہی مطالبہ کیا تھا۔

"مسلمانان ہند چاہتے ہیں کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں کے مطابق جمہوری حکومت قائم کی جائے جس میں حجاز کی اندرونی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانان عالم کی مرضی اور مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔"

اور خلافت کمیٹی ہی کی تجویز پر ابن سعود نے موتمر اسلامی کا جو اجلاس طلب کیا اس کا دعوت نامہ ابن سعود کی جانب سے دسمبر ۱۹۲۴ء میں خلافت کمیٹی کے نام اس حلفیہ بیان کے ساتھ پہونچا:۔

"اور میں خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے۔حجاز میرے ہاتھوں میں اس وقت تک امانت ہے جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب نہ کرلیں جو عالم اسلام کی بات سننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے جنہوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حمیت دینیہ کا ثبوت بہم پہونچایا ہے مثلاً ہندوستانی مسلمان۔"

لیکن ہوا یہ کہ اہل حجاز و عالم اسلام کی خواہش و مرضی اور اپنی قسموں اور وعدوں کی گردن مروڑتے ہوئے ۸ر جنوری ۱۹۲۶ء میں ابن سعود نے آل سعود کی بادشاہی اور خاندانی حکومت کا اعلان کرکے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔

حجاز مقدس پر عالم اسلام اور اہل حجاز کا استحقاق

وفد خلافت کمیٹی نے ۲۸، مئی ۱۹۲۶ء کو ابن سعود سے

ملاقات کرکے اپنے ان جذبات واحساسات کا اس طرح اظہار کیا۔

"یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ ومقابر ومشاہد میں ایسا تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔

ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں۔ مدینہ منورہ کے مقابر ومآثر کی حفاظت کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ موتمر اسلامی کے فیصلہ کے بغیر اس کے متعلق کوئی کاروائی نہیں کی جائے گی۔ لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی اور دنیائے اسلام کی خواہشات کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا۔" (نگارشات محمد علی)

اگلی ملاقات میں بھی ابن سعود ہی کے سامنے اپنے خیالات کی مزید تائید ان الفاظ میں کی:۔

"عالم اسلام اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ اس کے علماء کی رائے کی کوئی وقعت نہ ہو اور صرف نجد کے علماء جو چاہیں اس مشترکہ حرم میں کر گزریں۔ کیونکہ حجاز مقدس مسلمانوں کا مشترکہ اور مقدس مرکز ہے۔ اس بارے میں عالم اسلام کو فیصلہ کرنے کا حق ہے۔"

ورلڈ اسلامک مشن کی حجاز کانفرنس (منعقدہ ۵/۶ مئی ۱۹۸۵ء) نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ حجاز مقدس پر دنیا کے سارے مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لئے وہاں کی حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو خادم حرمین کی حیثیت سے پیش کرے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے نہیں۔ نیز سعودی عرب میں بزور شمشیر اہل سنت وجماعت کے مذہب کو ختم کرکے پورے ملک پر نجد کے قاضیوں کا مذہب مسلط کرنا اسلام نہیں۔ کھلا ہوا جبر واکراہ ہے۔"

مسلکی آزادی کی تجویز ۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی نے یہ تجویز پاس کی تھی:۔

حقیقت یہ ہے کہ علمائے نجد بظاہر اس کے دعویدار معلوم

ہوتے ہیں کہ شریعت حقہ کا علم انہیں کو حاصل ہے ۔ اور یہی نہیں کہ ان کا مذہب مذاہب اربعہ سے بہتر ہے بلکہ علمائے نجد کو وہ علمائے احناف سے بہتر بھی جانتے ہیں ۔ انہیں حالات سے مجبور ہو کر ہم نے بمشورہ ومعیت جمعیۃ العلماء موتمر میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے متبعین کو ارض پاک حجاز میں عبادات مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے ۔ اور کس مذہب میں کیا چیز داخل ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علمائے مستند و معتبر کریں ۔ اور دوسرے مذاہب کے علماء اس میں مداخلت نہ کریں ۔ گو یہ تحریک بالآخر منظور رہوئی ۔ لیکن اس پر سخت مباحثہ ہوا ۔ اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگانِ سلطان کو بہ طیبِ خاطر قبول نہ تھی"

(نگارشات محمد علی)

حجاز کانفرنس لندن ۱۹۸۵ء میں بھی یہی بات کہی گئی کہ :-

سعودی عرب میں مسلمانوں کے مذہبی تحفظ کا مسئلہ صرف سعودی عرب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے ۔ صرف طاقت کے بل پر نجد کے قاضیوں کا نظریہ ہم پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔"

رابطہ اسلامی یا مؤتمر اسلامی

حرمین شریفین پر قبضہ و تسلط سے پہلے اور اس کے بعد بھی ایک مختصر مدت تک ابن سعود ارکانِ دولت عالم اسلام اور اہل حجاز کو یہ سبز باغ دکھلاتے رہے کہ حجاز کے انتظامی معاملات اہل حجاز ہی کے ہاتھوں میں ہوں گے اور مذہبی مسائل کی انجام دہی کے لئے ایک موتمر اسلامی تشکیل دی جائے گی جس میں مسلمانان عالم کی موثر اور قابل قبول نمائندگی ہو گی ۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ موتمر اسلامی کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے انجام کا بھی سعودی حکومت نے انتظام کر دیا ۔ کیونکہ جی حضوری "اور سب خیریت ہے" کی پالیسی پر چلتے رہنے کا موتمر نے کوئی فکری یا عملی ثبوت نہیں دیا ۔

اس لئے ایک لمبی مدت تک سکوت و توقف اور کافی غور و خوض کے بعد آل سعود نے

رابطہ عالم اسلامی کو وجود بخشا۔ اور اس میں ایسے علماء و فضلاء کو رکنیت دی گئی، جو سعودی فکر و مزاج سے بہت حد تک ہم آہنگ ہوں۔ سارے ارکان رابطہ عالم اسلامی کو یہ الزام دینا تو غلط ہوگا کہ وہ سعودیہ کی ہر بے جا بات کو بسر و چشم قبول کر لیتے ہیں لیکن اس کی بہت سی قابلِ اصلاح باتوں کو بھی مسلسل نظر انداز کرتے رہنے سے اس الزام کو تقویت ضرور پہونچتی ہے کہ وہ سعودیہ کے مخصوص افکار و خیالات یا اس کے سیاسی اغراض و مقاصد کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔ غالباً وہ کلمہ حق کہنے سے اس لئے گریز کرتے ہونگے کہ اس بین الاقوامی تنظیم کی رکنیت کا اعزاز ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ چنانچہ تقریباً تین سال پہلے ریاض یونیورسٹی کے ایک ہندوستانی طالب علم جو اپنی مدت تعلیم ختم کرکے ہندوستان آچکے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک بار رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ جس میں ایک معزز رکنِ رابطہ تقریر فرما رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کو موضوع گفتگو بنانے کی بجائے وہ جلالۃ الملک کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ ایک مقتدر مصری رکن اس صورت حال سے سمجھوتہ نہ کرسکے اور انہیں ٹوکتے ہوئے یہ کہہ دیا: "برائے مہربانی آپ اس وقت درپیش دینی و ملی مسائل پر اظہار خیال فرمائیں —— جلالۃ الملک کی ثنا خوانی کسی اور وقت کر لیجئے گا"۔ چنانچہ انہیں اس جرأت و جسارت کی یہ سزا ملی کہ چند گھنٹوں کے اندر ہوائی جہاز پر سوار کراکے سعودی عرب سے رخصت کر دیا گیا۔ اور رابطہ کی رکنیت بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔

ہندوستان میں رابطہ عالم اسلامی کی رکنیت کا شرف مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو حاصل ہے۔ کامیاب نمائندگی عالمگیر دعوتی دورے بہترین علمی و تصنیفی خدمات اور اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں سعودی حکومت انہیں اپنے انٹرنیشنل فیصل ایوارڈ سے سرفراز کر چکی ہے۔

ٹیکس کے خلاف احتجاج پچاس سال سے زائد عرصے سے عالم اسلام ان ٹیکسوں کے خلاف احتجاج کر رہا ہے جو زائرین و حجاج پر سعودی حکومت نے عائد کر رکھا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی و مولانا عبدالحامد بدایونی

نے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ابن سعود سے براہ راست ٹیکسوں کے سلسلے میں گفتگو کر کے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

"۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں مولانا عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ رابطہ اسلامیہ ہند کے رئیس وفد اور ملایا، شرقی وجنوبی افریقا اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلہ علما حکومت سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے جن کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل "البیان" کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی۔ جس کے آغاز میں الاخوان المسلمون مصر کے بانی حسن البناء نے ابتدائیہ لکھا۔ اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم قدس سرہٗ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا"۔ ———

(ص ۴۳۹، تذکرہ اکابر مطبوعہ لاہور)

حجاز کانفرنس (۱۹۸۵ء لندن) نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ سعودی حکومت حاجیوں سے لینڈنگ ٹیکس، معلم ٹیکس، اور مدینہ کے سفری ٹیکس کے نام پر جو رقم حاصل کرتی ہے وہ قرآن کی متعدد آیات کی رُو سے قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اس لئے اسے فوراً بند کیا جائے

امکانی اتحاد کی نجات دہندہ راہ

مظالم ابن سعود واہل نجد کی دردناک داستان بیان کرتے ہوئے حجاز کانفرنس لندن (۱۹۸۵ء) میں مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلما پاکستان نے فرمایا۔

"اس طویل مدت میں جتنی مسجدیں شہید ہوئیں، جتنے مزارات منہدم کئے گئے، جتنی مقدس یادگاروں کو نیست ونابود کیا گیا اور اسلاف کی مذہبی روایات پر جس طرح ظلم وجبر کے ساتھ پابندیاں عائد کی گئیں یہ ایک ایسی دردناک تاریخ ہے جو صرف خون جگر سے لکھنے کے قابل ہے۔ چودہ سو برس کے مقدس آثار کو برباد کرتے ہوئے سعودی حکومت نے ذرا بھی محسوس نہیں کیا کہ وہ دنیا کے نوے کروڑ مسلمانوں کے خرمن حیات

میں آگ لگا رہی ہے"۔

اس کے بعد پوری ذمہ داری کے ساتھ بڑے ہی فیصلہ کن انداز میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

"سعودی حکومت اگر دو بنیادی باتوں پر اتفاق کر لے تو آج بھی عالم اسلام کے اتحاد کی راہ نکل سکتی ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی مذہبی بے چینیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

(۱) پہلی بات یہ کہ حجاز مقدس تمام دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی و روحانی وطن ہے۔

(۲) اور دوسری بات یہ کہ کتاب و سنت کی روشنی میں مسائل و احکام حج کے استخراج کا حق نجدی علماء کے علاوہ دیگر علمائے اسلام کو بھی ہے۔

اور اگر یہ اہل نجد پہلے ہی کی طرح سارے عالم اسلام پر شرک کا الزام لگاتے رہیں گے تو پھر حالات کی ابتری اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہونگے انہیں چاہئے کہ وہ سابقہ رویّہ میں تبدیلی پیدا کریں اور ندامت و شرمساری کے احساس کے ساتھ رُجوع الیٰ الحق کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ اور مندرجہ بالا و مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں اپنے داغدار دامن کی تنظیف و تطہیر کا سامان کریں۔

اہلِ حجاز فرعون و ہامان کی طرح؟

اہل نجد کی مخصوص ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے قاضی شوکانی یمنی لکھتے ہیں۔

"اُن کا خیال ہے کہ جو مسلمان فرمانروائے نجد کے زیر تصرّف اور اس کا تابع فرمان نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے"۔ (ترجمہ از عربی ص ۵، البدر الطالع جلد دوم)

اور شیخ نجدی اور اہل نجد کے عقائد کے باب میں مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک،

"جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانان دیار کا فر و مشرک ہیں۔ ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے"

(ص ۴۳، الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند)

نجد کے قاضی نے حرمین طیبین کے علماء و مشائخ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا

یا اھل الحجاز! انتم اَشدُّ کفراً من ھامان و فرعون نحنُ قاتلنا کُمْ

مفاتلة المسلمین مع الکفار ۔ (ص ۸۵، رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

اے اہل حجاز! تمہارا کفر فرعون وہامان سے بڑھا ہوا ہے۔ ہم نے تمہارے ساتھ اس طرح جنگ کی جیسے مسلمان کافروں سے جنگ کرتے ہیں۔

"نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے، جس قدر خون ریزی انہوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کی ہے۔"

(ص ۱۰۵، رپورٹ خلافت کمیٹی)

جامع مسجد دہلی کا فیصلہ

آل نجد و آل سعود کتاب و سنت کے علم اور ان پر عمل کا ساری دنیا میں جو پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اس کی اصل حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے جامع مسجد دہلی میں مولانا محمد علی جوہر نے ہزاروں مسلمانوں کے جم غفیر میں اپنا یہ فیصلہ سنایا تھا:۔

"میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں، اور اس کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے ابن سعود سے ذاتی عداوت نہیں۔ نہ میری مخالفت ذاتی غرض پر مبنی ہے جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کہوں گا اور صاف صاف کہوں گا اس سے کوئی جماعت خوش ہو یا ناخوش۔

"سلطان ابن سعود اور ارکانِ حکومت بار بار کتاب اور سنتِ رسول اللہ کی رٹ لگاتے تھے۔ لیکن میں نے تو یہ پایا کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول کو دنیا کمانے کا آلہ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ ڈاکہ ڈالتے ہیں، چوری کرتے ہیں، برا کرتے ہیں لیکن جو لوگ قرآن و حدیث کو آڑ بنا کر دنیاوی حکومت حاصل کرتے ہیں وہ چوروں ڈاکوؤں سے بھی برا کرتے ہیں۔ (ص ۹۵، ۹۶ مقالات محمد علی جلد اول)

اعتراف و احتساب

راقم سطور پانچ چھ بار زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہو چکا ہے اس لئے اسے اس اعتراف حقیقت میں کوئی تامل نہیں کہ موجودہ سعودی حکومت نے دور جدید کی حیرت انگیز سہولتوں کا گویا پورے حرمین طیبین میں ایک جال بچھا دیا ہے۔ ایرکنڈیشنڈ ہوٹلوں، بلڈنگوں، کشادہ سڑکوں برق رفتار گاڑیوں، برقی قمقموں، متنوع و لذیذ غذاؤں اور ٹھنڈے پانی کے نلوں نے

نہیں آرام وراحت کے ایسے شہر میں تبدیل کر دیا ہے جس کا آج سے ایک صدی پیشتر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور مختصر الفاظ میں اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد حکومت سے پہلے یہ وسائل وسہولیات زائرین وحجاج کو تاریخ کے کسی دور میں حاصل نہیں تھیں۔ اور یہ ترقی یافتہ تعمیری خدمات عہد سعودی کو دوسرے بہت سارے ادوار وعہد سے ممتاز کرتی ہیں۔

لیکن ان تمام مادی آسائشوں کے اعتراف کو چیلنج کرتے ہوئے ہمارا ایمانی ضمیر ہم سے سوال کرتا ہے کہ ہزاروں مقامات مقدسہ و آثار اسلامیہ کے ساتھ اس سعودی حکومت نے کیا سلوک روا رکھا؟ رسول کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے مولد ومسکن کو اس نے کیوں مٹایا؟ مہبط وحی الہٰی کو کیوں بے نام ونشان کیا؟ مولد فاطمہ زہرا کو کیوں مسمار کیا؟ دار ارقم کو کیوں زمیں بوس کیا؟ کئی ایک مساجد متبرکہ کو نیست ونابود کیوں کیا؟ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور امہات المومنین کی قبریں کیوں توڑیں؟ جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کو کھنڈر کیوں بنایا؟ مشاہد وآثار کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کا بیڑہ کیوں اٹھایا؟ کیا یہ چیزیں قابل احترام اور لائق توقیر نہ تھیں؟ اور کیا یہ چیزیں شعائر اللہ میں داخل نہیں؟ جن کی حفاظت ہی نہیں، بلکہ تعظیم کا حکم خود خالق کائنات نے اس طرح دیا ہے۔ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲) اور جو شعائر الہٰی کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

تاریخ کا دفتر احتساب جب کھلے گا اور آل سعود کا یوم حساب آئے گا تو دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھے گی کہ مادی آسائشوں کے یہ سارے زرنگار تاج محل زمین بوس ہو جائیں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ابن سعود نے آثار اسلامیہ اور شعائر اللہ کو تہ وبالا کر کے عالم اسلام کے قلوب کو مجروح اور زیر وزبر کر ڈالا ہے۔ تعمیر کی یہ رنگارنگی اس کے تخریبی کرتوتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی اور جس عمارت کی بنیاد ٹیڑھی اور غلط ہو وہ سر بفلک ہو جائے جب بھی اس کی کجی کبھی ختم نہیں ہو سکتی ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج

قولِ فیصل ایک ملاقات (بتاریخ ۱۹۲۶ء) میں سلطان ابن سعود نے سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مفتی کفایت اللہ دہلوی نیز جمعیۃ علمائے ہند سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم مسلمانانِ ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں اور یقین جانیئے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر میں بھروسہ کرسکتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی تمام کوششیں بے غرضانہ ہیں اور ان کا دل او رزبان ایک ہے"۔

(۲۸۶، تاریخ نجد و حجاز)

آج تقریباً اسی سال گزرنے کے بعد بھی حالات جوں کے توں ہیں۔ اس لئے اپنی جانب سے کچھ کہنے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ پُرانے آئینے کا استعمال کیا جائے اور قولِ فیصل کے ساتھ عالمِ اسلام کے دیرینہ مطالبات کا اعادہ کردیا جائے۔

اہلِ حجاز و نجد پر بزورِ شمشیر حکمراں ہیں۔ حالانکہ اہلیت و لیاقت کے لحاظ سے اہلِ حجاز اہلِ نجد پر ہر طرح فائق ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر کا تجزیہ ہے۔

"حجاز کے لوگوں میں انتظام ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے۔ اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ حکومت حجاز چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں نجدیوں میں اہلِ حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آتا۔ بلکہ اہلِ حجاز کو ہم نے اہلِ نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا ہے"۔ (ص ۲۱۵، نگارشاتِ محمد علی)

حجاز کو اہلِ حجاز کے ہاتھوں میں سپرد کرنے کے مسئلہ میں ابن سعود دارکانِ حکومت جب آنا کانی کرنے لگے اور تشکیل حکومت حجاز کے سلسلے میں ان کے عزائم کھل کر سامنے آئے تو مفتی کفایت اللہ دہلوی (صدر جمعیۃ علمائے ہند) نے ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے ایک تار کے جواب میں یہ لکھا تھا۔

"عظمۃ السلطان عبدالعزیز مکہ مکرمہ! آپ کا تار پہونچا، دعوت کا شکریہ، جمعیۃ علماء اپنے مندوب بھیجنے کو تیار ہے۔ مگر جمعیۃ علماء ادب کے ساتھ عرض کردینا چاہتی ہے کہ اسلام کے مرکز کو ہمیشہ کے لئے وساوسِ اجانب (غیروں کی ریشہ دوانیوں) سے مامون کرنے اور تمام

عالم اسلام کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنانے کے لئے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ زیر بحث آنا ضروری ہے" (محمد کفایت اللہ ص ۲۵۵، تاریخ نجد و حجاز)

اور ایک ملاقات (بتاریخ ۲۸ رمئی ۱۹۲۶ء) میں سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی مولانا محمد علی جوہر، مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہم نے سلطان ابن سعود سے کہا تھا۔

"اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلافات پیدا کئے جائیں۔ آپ نے آثار اور قبوں اور مزارات کے انہدام کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہوجائیگی، .... اس طرز عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں ہماری قوتیں دوبارہ منتشر ہو جائیں گی۔ اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کرسکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں،" (ص ۲۸۶، تاریخ نجد و حجاز)

مختصر الفاظ میں ان ساری باتوں کو اس طرح سمیٹا جاسکتا ہے کہ خالص حجازی لے سے آراستہ اس نغمۂ ہندی کا اصل مطلوب و مقصود صرف یہ ہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے ‏ ‏ ‏ نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر،

بیت المقدس کی بازیابی کے مطالبے سے پہلے ۱۹۲۴،۲۵ء سے مسلمانانِ عالم یہ مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ حجاز مقدس سے آلِ سعود کی خاندانی حکومت ختم کی جائے اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے انتظامی معاملات حجازیوں کے سپرد کئے جائیں۔ اور مذہبی امور و فرائض کی نگہداشت کا ذمہ دار عالم اسلام کی ایک منتخب مجلس شوریٰ کو بنایا جائے۔

ایسے سنگین حالات میں ہم ذرائع ابلاغ اور عالمی رائے عامہ سے اپیل کریں گے کہ وہ خلیج اور عالم عرب کے اندر پائدار امن کی تلاش میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لیں اور ایک عرصے

کئے جانے والے ان مطالبات کو منوانے کی ہر ممکن جدّ وجہد کریں۔

(۱) حجاز مقدس کو آل سعودی کی خاندانی حکومت سے نجات دلا کر اسے حجازیوں کے حوالہ کیا جائے اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ (حجاز) کے مذہبی امور و معاملات کی نگرانی کے لئے عالم اسلام کی مجلس شوریٰ کی تشکیل کی جائے۔

(۲) کویتی بحران کو امریکی و برطانوی سازشوں سے نکال کر خلیج عرب تعاون کونسل، عرب لیگ، اور اسلامی کانفرنس کے ذریعہ حل کیا جائے۔

(۳) فلسطینیوں کی ایک آزاد ریاست قائم کی جائے۔ مغربی کنارہ غزہ پٹی اور بیت المقدس کو اسرائیلی تسلط سے نکال کر انہیں فلسطینیوں کے حوالہ کیا جائے۔

(۴) امریکی فوج واپس کی جائے اور سعودی عرب کو امریکی افواج کی بجائے مسلم ممالک کی ایک مشترکہ کمان کے حوالہ کیا جائے۔

مذکورہ مطالبات کو مان کر اگر انہیں عملی شکل دیدی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ عالم عرب کا تازہ بحران ٹل سکتا ہے اور بہت سے پرانے جھگڑے اور اختلافات کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے بصورت دیگر اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ امریکی افواج کوئی بھی شرانگیز کاروائی کر کے عالم عرب کو تہس نہس کر سکتی ہیں۔ اور مغربی طاقتوں کی مدد سے وہ نہ صرف یہ کہ تیل کے سارے چشموں پر قابض ہو جائیں گی، بلکہ کئی ایک عرب ممالک کا خون چوس کر انہیں بے دم کر دیں گی، اور کئی ایک کی آزادی و سلامتی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

یہ ایک بہت بڑی صیہونی دامریکی و مغربی سازش ہے جس کا بر وقت سدّباب نہ کیا گیا تو صدیوں تک ہمیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور آنے والی نسلیں ان عرب حکمرانوں کو کبھی معاف نہیں کر سکیں گی۔

ایسے کسی روز بد سے اللہ تبارک وتعالےٰ سارے عالم عرب کو محفوظ رکھے اور ان کے حکمرانوں کو اس کی توفیق بخشے کہ وہ اپنے مزعومہ خدا وندانِ مغرب کے سامنے سجدہ ریزی سے باز آ کر اپنے دین وایمان کو سنبھالیں اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کی عظیم ذمہ داریاں نبھا کر دنیا وآخرت میں سرخرو اور شاد کام ہو سکیں۔ آمین،

سعودی حکومت کی مذہبی پالیسی

(از)

مبارک حسین مصباحی رام پوری

مدیر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

سعودی بادشاہت کے وظیفہ خوار حامی بڑے شد ومد سے اس کی مذہبیت اور تبلیغ اسلام کا پروپیگنڈہ کرکے خالی الذہن مسلمانوں کو متاثر کرنے کی سرگرم کوشش کرتے ہیں لیکن باخبر حلقوں سے مخفی نہیں کہ وہابیت ایک نوزائیدہ فرقہ ہے جو اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ آٹھ سو سال سے جتنے اکابر اسلام، ائمہ دین اور عامۂ مسلمین گزرے ہیں سب کو وہ اسلام سے خارج اور توحید سے منحرف سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ خود ہندوستان و پاکستان میں رہنے والے اپنے وظیفہ خوار دیوبندی فرقہ کو بھی دو وجہ سے صراحتاً کافر و مشرک ٹھہراتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ تقلید امام ابو حنیفہ کا قائل و عامل ہے (اس بناء پر بھی ساری دنیا کے مسلمان جو چاروں ائمہ میں سے کسی کے مقلد کی شکل میں پائے جاتے ہیں سب کو دین سے خارج کہتا ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند تصوف و طریقت اور پیری مریدی کے قائل و عامل ہیں اور تقلید کی طرح یہ بھی نجدی مذہب میں کھلا ہوا کفر ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی مخصوص عقائد ہیں جو سواد اعظم اہل سنت و جماعت یعنی دنیا کے تمام مسلمانوں کے عقائد سے متصادم ہیں۔

پھر ستم یہ ہے کہ وہ اپنے ان ہی خود ساختہ عقائد اور اسلام و اہل اسلام سے متصادم و منحرف نظریات کو دولت اور سیّال سونے کے بل بوتے پر پوری دنیا میں بنام اسلام پھیلانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اور سعودی عملداری میں تو اسے بزور شمشیر نافذ کرتے ہیں۔ اسی لئے وہاں کے باشندے سیاسی خیالات کی طرح اپنے مذہبی نظریات کے اظہار و اعلان میں بھی آزاد نہیں ــــ سعودی عرب کے باہر سے آنے والے حجاج و زائرین کو بھی حکومت کے کارندے وہابی مذہب پر جبر و تشدد کے ساتھ عمل کراتے ہیں۔ ترکی حکومت کے زمانے میں وہاں حنفی شافعی مالکی حنبلی چار مصلّے مقرر تھے۔ اور چاروں مسلک کے مطابق اماموں کا انتظام خود حکومت کرتی تھی۔ لیکن سعودی گورنمنٹ ان

سب کو ختم کرکے دنیا کے گوشہ گوشہ سے آنے والے تمام مسلمانوں کو غیر مقلد نجدی امام کی اقتدا پر مجبور کرتی ہے۔ اور اگر کسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ اپنے مسلک کے مخالف نجدی غیر مقلد امام کی اقتدا سے پرہیز کرتا ہے تو اسکے ساتھ سخت سے سخت کاروائی کرتی ہے۔ اسی سلسلے میں ہندوستان کے دو بزرگ پیشواؤں کی تازہ مثالیں موجود ہیں۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قادری اڑیسوی رحمۃ اللہ علیہ اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت، مولانا اختر رضا خاں ازہری بریلوی مدظلہ، کے ساتھ سعودی مظالم کے واقعات ہندوستان کے اخبارات میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ بزدل حکومت جو نہتے مسلمانوں کو وہابیت کی پیروی کے لئے جبر و تشدد ڈھانے میں شہرۂ آفاق حیثیت کی حامل ہے اگر کسی طاقتور سے اس کا سابقہ پڑ جاتا ہے تو اس کی ساری قوت گم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے زبردست عالموں کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا اس کا ایک حصہ بھی وہ ایرانی شیعوں کے مظاہروں اور ہنگاموں کے خلاف عمل میں نہ لاسکی۔

اب ان اجمالی سطروں کے کچھ تفصیلی شواہد بھی ملاحظہ کرتے چلیں تاکہ وہابیت کے سیاسی و مذہبی ہر قسم کے مظالم کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

علامہ جمیل صدقی زہادی عراقی لکھتے ہیں۔

اعتقادی حالات

"ابتدا میں شیخ نجدی جھوٹے مدعیان نبوت مثلاً مسیلمہ کذاب سجاح، اسود عنسی، طلیحہ اسدی، اور دوسرے مدعیان نبوت کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور خود بھی اپنے تئیں نبوت کا مدعی سمجھتا تھا۔ لیکن اس کو اس دعویٰ کے اظہار پر قدرت حاصل نہ ہوسکی۔ اپنے شہر والوں کا نام اس نے انصار رکھا۔ اور اس کے ہم عقیدہ لوگ جو باہر سے آتے انہیں مہاجرین کہتا۔ جو شخص اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا، اس سے اقرار کراتا کہ تمہاری پچھلی زندگی مشرکانہ تھی۔ اور اگر تم حج کر چکے تو تم پر اب دوبارہ حج کرنا لازم ہے۔ اور اس سے کہتا کہ تم گواہی دو کہ تم پہلے مشرک تھے ـــــ تمہارے ماں باپ بھی شرک پر مرے۔ اور گزشتہ اکابر علمائے دین کا نام لے لے کر کہتا کہ گواہی دو وہ سب مشرک تھے۔ اگر وہ شخص یہ گواہیاں دیتا تو اس کی بیعت

قبول کرتا، ورنہ اس کو قتل کرا دیتا۔ اور شیخ نجدی بتصریح کہتا تھا کہ اب سے چھ سو سال پہلے کی تمام امت کافر تھی۔ اور وہ شخص جو اس کی پیروی نہ کرتا اس کو کافر کہتا۔ خواہ وہ کتنا ہی پرہیزگار مسلمان کیوں نہ ہو۔ اور اس کے قتل کو حلال اور اس کے مال لوٹنے کو جائز سمجھتا۔ اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا خواہ وہ کیسا ہی فاسق کیوں نہ ہو اس کو مومن کہا کرتا تھا[1]

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :۔

ہمارے زمانے میں محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار جو نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے۔ وہ اپنے آپ کو حنبلی المذہب کہتے تھے۔ لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ یا ان کے موافق ہیں۔ اور جو عقائد میں ان کے مخالف ہیں وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ مشرک ہیں۔ اسی بناء پر انہوں نے اہلِ سنت اور علمائے اہلِ سنت کے قتل کو جائز رکھا[2]

حضرت علامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں ایک آیت کی تفسیر میں خوارج کا کردار بھی واضح کیا ہے اور وہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے اور ان کے نیست و نابود ہونے کی دعا فرمائی ہے[3]

قاضی شوکانی یمنی نے وہابیوں کی مخصوص ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

"وہابیوں کا خیال ہے کہ جو مسلمان فرمانروائے نجد کے زیر تصرف اور اس کا تابع نہ ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے"[4]

---

[1] الفجر الصادق ص ۱۸، مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ

[2] ردالمحتار ص ۴۲۸، ج۳ ،

[3] ص ۵، البدر الطالع جلد دوم،

[4] حاشیہ صاوی مطبوعہ: بیروت، لبنان، ص: ۳۰۸، ج

شیخ نجدی نے اپنے دین کے پھیلانے کا کام محمد بن سعود کے ذمہ سونپ دیا تھا۔ اور وہ عرب کے شرق اور غرب میں شیخ نجدی کی دعوت پھیلا رہا تھا۔ اور سرعام کہتا کہ تم سب لوگ مشرک ہو۔ تمہارا قتل کرنا جائز اور مال لوٹنا مباح ہے۔ اس کے نزدیک مسلمان ہونے کا معیار صرف شیخ نجدی کی بیعت تھی۔ خواہ بیعت کرنے والا نصوص شرعیہ کا مخالف اور اجماع امت کا تارک ہو۔ اور شرک کا معیار اس کے نزدیک یہ تھا کہ جو شخص شیخ نجدی کی موافقت نہ کرے۔ اگرچہ وہ نص صریح پر عمل کرتا ہوا ور اجماع امت کا پابند ہو۔ محمد بن سعود علی الاعلان کہتا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اقوال غیر معتبر ہیں۔ کبھی ائمہ کو حق پر ثابت کرتا اور ان کے پیروکاروں کی مذمت کرتا جنہوں نے مذاہب اربعہ میں کتابیں لکھیں۔ کہتا یہ لوگ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا کبھی کہتا شریعت ایک تھی۔ انہوں نے چار مذاہب بنا دیئے ہیں۔ ہم اللہ کی کتاب، اور اس کے رسول کی سنت کے سوا کسی چیز پر عمل نہیں کریں گے۔ اکابر علمائے حنابلہ کی توہین کرتے ہوئے یہ کہتا۔ ہم نہیں جانتے یہ مصری شامی، اور ہندی کون ہیں؟

شیخ نجدی نے محمد بن سعود کی خاطر "کشف الشّبہات" نامی ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں اس نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ اور یہ زعم کیا کہ چھ سو سال سے تمام مسلمان کفر و شرک میں ہیں۔ اور قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو صالح مسلمانوں پر چسپاں کیا [1]

ابن سعود نے اس رسالہ کو اپنی مملکت کی حدود وسیع کرنے کے لئے وسیلہ بنایا، تاکہ عرب اس کی پیروی کریں۔ شیخ نجدی لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دیتا اور لوگوں کو یہ ذہن نشین کراتا کہ آسمان کے نیچے اس وقت جس قدر مسلمان ہیں بلا ریب سب مشرک ہیں۔ اور جو مشرک کو قتل کرے گا، اس کے لئے جنّت واجب ہو جائے گی،

---

[1] ــــــــ الفجر الصادق، ص ۲۰ و ۲۱

شیخ نجدی جو بھی حکم دیتا ابن سعود اس پر عمل کرتا۔ جب شیخ نجدی کسی انسان کے قتل یا اس کے مال لوٹنے کا حکم جاری کرتا۔ تو ابن سعود اس حکم کی تعمیل کرتا۔ پس نجدیوں کی اس قوم میں محمد بن عبدالوہاب ایک نبی کی شان سے رہتا تھا۔ اس کی ہر بات پر عمل کیا جاتا تھا۔ اور وہ کوئی کام اسکی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ اور نجد کے لوگ شیخ نجدی کی اتنی تعظیم کرتے تھے جتنی تعظیم کسی نبی کی کی جاسکتی ہے (حوالہ مذکورہ)

مذکورہ بالا مستند علمار کے بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ ان وہابی مذہب سعودیوں کے نزدیک آٹھ سو برس سے آج تک کے وہ تمام علمار، صلحا، اور اولیا کا فرد مشرک اور مباح الدم ہیں، جنہوں نے وہابی مذہب قبول نہیں کیا یا جو ان کے مذہب کی ایجاد سے قبل دنیا سے چلے گئے۔ اور ائمہ اربعہ اور ان کے پیروکار گمراہ اور گمراہ گر ہیں۔

وہابیہ نے اسلاف کرام اور جمہور اہل اسلام کے متفق علیہ مسائل توحید، رسالت، شفاعت، توسّل، تقلید، طریقت و تصوف جیسے مسائل میں دراڑیں پیدا کرکے پوری امت مسلمہ کو مذہبی اختلافات میں الجھا دیا ہے۔ اور جس کی نہ بجھنے والی آگ میں آج ہر بستی جھلس رہی ہے۔ اور سعودی ریالوں پر پلنے والے ایمان فروش علما، ان کی توسیع و اشاعت میں شب و روز سرگرم عمل ہیں۔ جس کی وجہ سے سادہ لوح عوام کا ایک بڑا طبقہ ان فریب کاروں کے جال میں پھنس چکا ہے۔

عقیدۂ توحید وہابیوں کو توحید شناسی اور معرفت الٰہی پر بڑا ناز ہے۔ اور اسی جنون میں توحید ناشناسی کا الزام لگا کر بہت سے اکابر اسلام کو اپنے شرک خانہ میں داخل کر چکے ہیں۔ مگر حقیقت کیا ہے اسے سنئے نہیں پڑھ کر دیکھئے۔

علامہ ابو حامد مرزوق رقمطراز ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کے بنیادی عقائد چار ہیں۔ (۱) اللہ تعالےٰ کو مخلوق سے مشابہ ماننا۔ (۲) الوہیت اور ربوبیت کو صفت واحدہ ماننا۔ (۳) نبی علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنا (۴) تکفیر مسلمین ——— ان چاروں عقیدوں میں شیخ نجدی ابن تیمیہ کا معتقد ہے۔ اور

ابن تیمیہ پہلے عقیدہ میں خوارج کا معتقد ہے۔ دوسرا اور تیسرا عقیدہ اس کی اپنی اختراع ہے۔ پہلے اس نے الوہیت اور ربوبیت کی وحدت کا عقیدہ تراشا۔ اور اس پر تیسرے عقیدہ تنقیص رسالت کی بنیاد رکھی [۱]

یہ ہے وہابیوں کی توحید شناسی کی کل کائنات، اب ذیل میں اس نجدی توحید کی کرشمہ سازی ملاحظہ کیجئے۔

وہابیوں کی مشہور کتاب "مجموعۃ التوحید" میں ہے ——— "اور یہ خالد ازہری شارح توضیح کے توحید سے جاہل ہونے کو مانع نہیں۔ جیسے کہ وہ لوگ بھی توحید سے جاہل تھے جو خالد ازہری کی نسبت زیادہ علم والے تھے۔ اور معقول میں ان کی تصانیف ہیں جیسے فخر رازی، ابو معشر بلخی وغیرہ جنہوں نے توحید کے مسئلے میں غلطیاں کیں" [۲]

اسی کتاب کے ص ۱۹۰ میں لکھا ہے ——— "توحید کی معرفت کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا" اور وہابیوں کے نزدیک امام فخرالدین رازی اور ان جیسے دیگر اکابر اسلام توحید سے جاہل ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ سب بزرگ کافر ہیں۔ (معاذاللہ)۔

عقیدۂ رسالت

توہین رسالت وہابی مذہب کے خمیر میں شامل ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد ہی کتابوں سے عظمت رسول اور دلوں سے محبت رسول نکالنے پر قائم ہے۔ اب ذیل میں اپنے رسول سے متعلق ان کے خیالات پڑھئے۔

سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں۔

(۱) محمد بن عبدالوہاب نجدی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو "طارش" کہا کرتا تھا۔ اور نجد کی لغت میں طارش چٹھی رساں یا ایلچی کو کہتے ہیں۔

(۲) صلح حدیبیہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ اس میں اتنے جھوٹ بولے گئے ہیں۔ اور اس کے متبعین بھی یہ باتیں ان کے سامنے کرتے تھے اور وہ ان پر خوش ہوتا تھا۔

(۳) اس کے سامنے اس کے متبعین میں سے ایک شخص نے کہا کہ میری لاٹھی محمد صلی اللہ علیہ

---

[۱] التوسل بالنبی، مطبوعہ ترکی، ص ۲، [۲] ص ۲۲۰، مجموعۃ التوحید،

وسلم سے بہتر ہے۔ کیونکہ سانپ وغیرہ کو مارنے میں کام آسکتی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ وہ محض ایک ایلچی تھے، جو اس دنیا سے جا چکے۔

(۴) شیخ نجدی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور درود شریف سننے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی۔

(۵) جمعہ کی رات کو درود شریف پڑھنے اور میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو منع کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک خوش الحان نابینا موذن کو اس نے درود شریف پڑھنے کے جرم میں قتل کروا دیا۔

(۶) کہا کرتا تھا کہ کسی فاحشہ عورت کے کوٹھے میں ستار بجانے میں اس قدر گناہ نہیں ہے جس قدر گناہ مسجد کے میناروں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہے۔ اور اپنے متبعین اور رفقار سے کہتا تھا کہ اس طریقہ کار سے توحید کی حفاظت ہوتی ہے۔

(۷) اس کے بدترین افعال میں سے ایک یہ فعل ہے کہ اس نے دلائل الخیرات اور دوسری درود شریف پڑھنے والی کتابوں کو جلوا دیا۔ اور ان کتابوں کے پڑھنے کو بدعت قرار دیتا تھا۔

(۸) اس نے فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں جلوا ڈالی تھیں [۱]

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ محض ایک قاصد اور ایلچی تھے۔ جو اپنا پیغام پہونچا کر چلے گئے اب ان کا ہم پر کوئی حق نہیں [۲]

ان کے یہاں حرف ندا کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنے والا مشرک ہے۔ (جیسے یا رسول اللہ) اس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے [۳]

قصد زیارت قبر بھی شرک ہے [۴]

---

[۱] خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام ص ۲۳۰، [۲] التوسل بالنبی، ص ۱۰۶، مطبوعہ ترکی، [۳] فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص ۱۳۸، [۴] ایضاً، ص ۱۴۹،

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے استمداد اور استعانت بھی شرک ہے [1]

عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ (محمد بن عبدالوہاب نجدی) ایک جگہ لکھا ہے۔

"حدیث میں روضۂ رسول اور مزاراتِ اولیاء، ومشائخ کی زیارت کے لئے سفر ممنوع ہونے پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ یہ شرک کا سب سے بڑا ذریعہ ہے" [2]

ایک جماعت جو اس کی تبلیغ سے متاثر نہ ہوئی۔ حج وزیارت کی نیت سے گزری تو وہ کہنے لگا مشرکوں کے لئے راستہ چھوڑ دو۔ یہ مدینہ جا رہے ہیں [3]

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے زمانہ میں کچھ لوگ احساء سے زیارتِ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ پہونچے۔ واپسی میں جب شیخ نجدی کو خبر ہوئی تو اس نے ان پر مظالم کئے، ان کی داڑھیاں مونڈوادیں، اور ان کو الٹا کرکے ذلیل وخوار کیا [4]

حضرت مولانا انوار اللہ خاں بہادر حیدر آبادی رقم طراز ہیں۔

"شیخ سلیمان بن سحیم حنبلی نے جو معاصر ابن عبدالوہاب کے ہیں ایک استفتا رکیا جس کا جواب علامہ احمد بن علی قبیانی نے دیا ہے۔ استفتار میں لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نے بہت اقسام کی بدعتیں نکالی ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر کمر باندھی ہے۔ منجملہ انکے چند یہ ہیں" اس کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر لفظ "سیدنا" کہنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کبھی جو قدرت ہوگی قبہ شریف کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ڈھادے گا۔ زید بن خطاب اور ان کے ساتھ والی قبروں کو ڈھادیا۔ غرض کہ اس کی بے باکیاں اور گستاخیاں کوئی شمار وحساب نہیں رکھتیں۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کمال بے ادبی کے الفاظ کہتا ہے۔ اور سنکر چپ رہتا ہے [5]

---

[1] فتح المجید شرح کتاب التوحید، ص: ۱۴۹ [2] ایضاً، ص: ۲۱۹،

[3] الدرالسنیہ للعلامہ دحلان شافعی، [4] ایضاً، [5] انوار احمدی، ص: ۳۳،

(اس کتاب پر حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق وتقریظ ہے) ناشر، محمد اسلم علوی ڈجکوٹ روڈ، لائل پور، پاکستان۔

علامہ ابن مرزوق کی عینی شہادت ہے کہ ۱۳۴۳ھ میں حرم مکہ مکرمہ کے قریب ایک مسلمان اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الخ پڑھ رہا تھا۔ اچانک وہابیوں کی ایک جماعت نے یہ پڑھتے سُن لیا۔ ان کے بوڑھے امیر و شیخ نے اُس مسلمان کی طرف اپنے عصا سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اذکرہ ولا تعبدہ" ان کا ذکر کرو، انکی پرستش نہ کرو[1]

اس جملہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہابیوں کے نزدیک رسول ہاشمی صلے اللہ علیہ وسلم پر عزت واحترام کے ساتھ درود وسلام بھیجنا بھی شرک ہے۔

عقیدۂ توسُّل عہد صحابہ سے لیکر آج تک تمام اکابر علماء و فقہاء جواز توسل کے قائل رہے ہیں۔ اور اس پر ان کا عمل بھی رہا ہے۔ مگر شیخ نجدی نے وسیلہ سے دعا مانگنے کو کفر قرار دے کر تمام امت مسلمہ کو کافر بنا دیا۔ ذیل میں مسلمہ عقائد کے خلاف توسل سے متعلق اس کے خیالات پڑھئے۔ اور عقل بلاخیز کی جرأت کا تماشا دیکھئے ـــــــ مجموعۃ التوحید میں ہے۔

"اگر حضرت عمر اور صحابہ کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آپ کے انتقال کے بعد توسل کرنا جائز ہوتا تو وہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد وسیلہ بنانا جائز نہیں[2]

نجدی نے اس حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ اور مزید ان تمام احادیث نبویہ کو پس پشت ڈال دیا، جس میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کی ذات سے توسُّل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری شیخ احمد دحلان کی کتاب فتوحات اسلامیہ جلد دوم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

---

[1] التوسل ص: ۱۰۶، [2] مجموعۃ التوحید، مطبوعہ: ام القریٰ، مکہ معظمہ ۱۳۲۲ھ، ص: ۲۱۷

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء، اولیاء، اور صلحاء کی زیارت کو جانا شرک قرار دیا۔ اور کہا کہ کسی نبی یا ولی کو وسیلہ سمجھ کر پکارنا شرک ہے اور جو کسی کام کو سوا اللہ کے کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے، گو بطور مجاز عقلی کے ہو یہ بھی کفر ہے۔ جیسے مجھے اس دوا نے فائدہ پہونچایا، یا اس ولی کی وجہ سے میرا یہ کام ہوگیا اور اللہ نے جو مشرکین کی زبانی فرمایا "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" یعنی ہم ان کی (بتوں کی) عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کے پاس پہونچا دیں۔ سو جو کوئی وسیلہ کسی بزرگ سے ڈھونڈتا ہے وہ مثل انہیں مشرکین کے ہے جو کہتے تھے کہ ہم بتوں کی پرستش صرف تقرب الی اللہ کے لئے کرتے ہیں[1]

عقیدۂ شفاعت

عہد رسالت سے آج تک جمہور امت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے مطلقاً شفاعت کا اذن دے دیا ہے۔ اور حضور سے حیات مقدسہ میں اور بعد وصال دونوں حالتوں میں شفاعت طلب کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث سعادت ہے۔ مگر اس عہد اول کے مسلمہ عقیدہ کے برخلاف وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور اللہ کے مخصوص اذن کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ اور حضور سے طلب شفاعت کرنا نہ صرف ممنوع بلکہ کفر ہے۔ جس کے بعد شفاعت کے طلب گاروں کا قتل کرنا اور ان کا مال و متاع لوٹنا مباح ہو جاتا ہے۔

مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری شیخ احمد دحلان کی "فتوحات اسلامیہ" جلد دوم کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کہتا ہے جو شخص اسے نہ مانے وہ کافر و مشرک حلال الدم والمال ہے۔ اور جو آیات قرآنی مشرکین کے حق میں اتری ہیں انہیں مسلمانوں پر محمول کیا جیسے

ومن اضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة وهم عن دعائهم غافلون

---

[1] مذاہب الاسلام، ص: ۵۹۷، مطبوعہ، رضا پبلی کیشنز لاہور۔

اور۔ ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک ۔

محمد بن عبدالوہاب نے کہا جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی یا ولی یا صالح کو پکارے یا اس سے شفاعت کا سوال کرے سو وہ انہیں مشرکین کی طرح ہے اور ان آیات کے عموم میں داخل ہے [1]

عقیدۂ تقلید کتاب وسنت کی روشنی میں جب فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین ہو گئی تو شیعہ فرقہ کو چھوڑ کر سارے عالم اسلام نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ انتشار واختلاف سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ فقہی مسالک اربعہ یعنی حنفیت مالکیت، شافعیت، حنبلیت میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ اس پر صدیوں تک عمل ہوتا رہا۔ اور سنی اسی کو کہا اور سمجھا جاتا رہا جو ان چاروں میں سے کسی ایک کی پیروی کرے۔ اسی فکر وعمل پر ساری امت اسلامیہ کا اجماع ہو گیا۔ مگر فتنہ ساز وہابی مذہب نے اس تقلید کو بھی شرک اکبر اور ائمہ اربعہ اور ان کے مسالک کے مدونین کو گمراہ اور گمراہ گر قرار دیا۔ مزید توثیق فکر ونظر کے لئے شواہد ملاحظہ فرمائیے۔

"سعودی حکومت کے معتمد، وہابی مذہب کے ترجمان، مشہور عربی عالم، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق مدرس اور ابوالحسن علی ندوی کے استاد تقی الدین ہلالی مراکشی لکھتے ہیں"

"ان الافتاء بالتقلید والقضاء بالتقلید من الشرک العظیم"

تقلید کا فتویٰ وفیصلہ شرک عظیم ہے [2]

علامہ ابو حامد بن مرزوق رقم طراز ہیں:-

"محمد بن عبدالوہاب ائمہ اربعہ، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل (رضی اللہ عنہم) کے بہت سے اقوال کو بے بنیاد ٹھہراتا اور کبھی خفیہ چال چلتا کہ ائمہ تو حق پر ہیں۔ اور ان کے متبعین جنہوں نے ان کے مسالک کو مدون کر کے کتابیں لکھیں، ان پر جرح وقدح کرتے ہوئے کہتا کہ یہ خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ کبھی کہتا

---

[1] مذاہب الاسلام، ص ۵۹۸۔ [2] السراج المنیر فی تنبیہ علیٰ جماعۃ التبلیغ علیٰ اخطائہم۔

کہ شریعت تو ایک ہی ہے۔ ان ائمہ لوگوں نے کیسے چار مذاہب بنائے۔ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دونوں ہمارے لئے کافی ہیں۔ ہم ان پر عمل کریں گے کسی مصری، شامی، ہندی کی ہم اتباع وتقلید نہیں کریں گے۔ لہ

تصوّف | بیعت وخلافت اور احسان وتصوف سے متعلق محمد تقی الدین ہلالی وہابی نے لکھاہے۔

"وھذہ البیعۃ التی یستعملہا اصحاب الطرائق من المتصوفۃ والاجازۃ فی اعطائہا کل ذلک ضلال مبین"

اور یہ بیعت واجازت جو اہل سلاسل صوفیاء کے یہاں رائج ہے یہ تمام چیزیں کھلی ہوئی گمراہی ہیں۔

یہ تھے وہابی افکار وعقائد کی خرافات کے چند نمونے، اب ذرا مذہبی پاسداری سے بالاتر ہو کر سوچئے کہ ان بھیانک عقائد نے اگر ایک طرف چودہ سو برس کی دینی حقیقتوں کا چہرہ مسخ کر کے عالم اسلام کے مسلمات کا خون کیا ہے تو دوسری طرف باہمی منافرت کی دیواریں اتنی بلند کر دی ہیں کہ وہ شاید اب کبھی نہیں ٹوٹ سکتیں۔

نجدی یاروں کی کہانی دیوبندی دوستوں کی زبانی

سطور بالا میں جو آپ نے وہابیوں کا تعارف پڑھا تھا وہ عالم اسلام کی ان مقتدر شخصیتوں کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ جنہوں نے روز اول ہی سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ اب دریائے حیرت میں ڈوب کر ایک دوست کے حق میں دوست کا اعتراف پڑھئے۔ اور دل پہ ہاتھ رکھ کر اندازہ لگائیے کہ دولت کے دھاروں نے کتنی تیزی سے دیوبندیوں کے فکر وقلم کا رخ موڑا ہے۔ جن اہل دیوبند نے وہابیوں کی سخت مخالفت کی تھی اور انہیں گمراہ اور گمراہ گر قرار دیا تھا، آج انہیں کے متبعین اپنے

لہ التوسل بالنبی، ص: ۲۴۵، مطبوعہ ترکی۔

دین ومذہب کے سارے قیود کو توڑ کر کتنی گرم جوشی سے ان کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کا ٹھیکیدار ثابت کرنے کے لئے اپنی توانائیاں بے دریغ لٹا رہے ہیں۔

انور شاہ کشمیری دیوبندیوں کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فکان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر"[1]

محمد بن عبدالوہاب نجدی نہایت بیوقوف اور کم علم شخص تھا۔ اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت تیز تھا۔

خلیل احمد انبیٹھوی خلیل احمد انبیٹھوی نے علمائے مدینہ کے سوالات کے جواب میں ایک کتاب "التصدیقات لدفع التلبیسات" لکھی۔ اس کا ایک سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سوال: محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور ان کے مال وآبرو کو، اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب، اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟۔ اور کیا سلف اور اہل قبلہ کی تکفیر کو تم جائز سمجھتے ہو؟ کیا مشرب ہے؟۔

جواب: ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے جو صاحب درّ مختار نے فرمایا ہے۔ "اور خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی، جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی۔ تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان ومال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔ ان کا حکم باغیوں کا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ ہم ان کی تکفیر

---

[1] فیض الباری، ص: ۱۷۱

صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعل تادیل سے ہے۔ اگرچہ باطل ہی سہی، ——— اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے ——— جیساکہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سرزمین نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے۔ مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں۔ اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اور اسی بناء پر انہوں نے اہل سنت اور علمائے اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک اللہ تعالٰے نے ان کی شوکت توڑ دی لے

اس جواب پر ان اہل دیوبند کی تصدیقات بھی ہیں۔ مولوی محمود الحسن صدر المدرسین دیوبند، مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبدالرحیم رائپوری مولوی حبیب الرحمٰن دیوبندی، مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی مولوی محمد مسعود بن مولوی رشید احمد گنگوہی ——— ان کے علاوہ بھی علمائے دیوبند اور علمائے عرب کی تصدیقات ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

غیر مقلدوں کے مشہور امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رقم طراز ہیں۔

"ہندوستان سے لوگ تجارت اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، اور حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیخ نجدی ان کے لئے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے۔ وہ اپنے دل میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خلاف سخت غم و غصّے کو لے کر آتا ہے" ؎۲

مولوی رشید احمد گنگوہی

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:۔

"فتاوی رشیدیہ میں متعدد مقامات میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے طائفہ وہابیہ غیر مقلدین کو فاسق تحریر فرمایا ہے۔ اور انکی اقتدا

لے ص ۱۹/۱۸، التصدیقات لدفع التلبیسات، ؎۲ موائد العوائد من عیون الاخبار والفوائد ص: ۲۸

کو مکروہ کہا ہے کہ سلف صالحین و ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالےٰ کی شان میں گستاخی کرنے
نسق لازم آتا ہے [1]

مولوی حسین احمد مدنی

دیوبندی شیخ الاسلام مولوی حسین احمد مدنی صدر المدرسین دیوبند نے شیخ نجدی کے احوال وعقائد ذرا تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔ پہلے احوال اور پھر تفصیلی عقائد ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ اور چونکہ یہ خیالاتِ باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہونچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی و بے باکی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدید کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ اور الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس سے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا، اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے نہ مجوس سے نہ ہنود سے، غرضیکہ جو بات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے۔ اور بیشک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہئے۔ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج وعداوت نہیں رکھتے تھے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں [2]

(۲) محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہلِ عالم وہ تمام مسلمانان دیار مشرک د کافر ہیں اور ان سے قتل وقتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے [3]

---

[1] شہاب ثاقب، ص: ۳، [2] شہاب ثاقب، ص: ۴۲، [3] شہاب ثاقب، ص: ۴۲،

(۳) نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیائے علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعدازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات برزخ ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ بعض ان کے حفظ جسم نبی کے قائل ہیں۔ مگر بے علاقہ زندگی اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظ کریمہ کہ جس کا زبان پر لانا جائز نہیں۔ درباره حیات نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے۔ اور انہوں نے اپنے رسائل وتصانیف میں لکھا ہے[۱]

(۴) زیارت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم وحضوری آستانہ شریفہ وملاحظہ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام وغیرہ لکھتا ہے۔ اس نیت سے سفر کرنا محظور اور ممنوع جانتا ہے لاتشدوا الرحال الا الی ثلثة مساجد ان کا مستدل ہے۔ بعض ان میں سے سفر زیارت کو معاذاللہ زنا کے درجہ کو پہونچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ وسلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں[۲]

(۵) وہابیہ شفاعت میں ہزاروں تاویلیں اوگھڑنت کرتے ہیں اور قریب قریب انکار شفاعت کے بالکل قریب پہونچ جاتے ہیں[۳]

(۶) وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ مراقبہ ذکر وفکر وارادت ومشیخت وربط القلب بالشیخ وفنا وبقا وخلوت وغیرہ اعمال کو فضول ولغو اور بدعت وضلالت شمار کرتے ہیں۔ اور ان کے اکابر کے اقوال وافعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں۔ اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ ومستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے دیار نجد کا سفر کیا ہوگا یا ان سے اختلاط کیا ہوگا ان کو بخوبی معلوم ہوگا کہ فیوض روحانیہ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے[۴]

---

[۱] الشہاب الثاقب، ص: ۴۵، [۲] ایضاً، ص: ۴۶، ۴۷، ۴۵،
[۳] ایضاً، ص: ۴۷، [۴] ایضاً، ص: ۵۹،

(۷) وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ جانتے ہیں۔ اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت وجماعت کے مخالف ہو گئے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیروکار ہیں۔ وہابیہ نجد وعرب اگرچہ بوقت اظہار حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول ہو گیا ہے [۱]

(۸) مثلاً علی العرش استویٰ وغیرہ آیات طائفہ وہابیہ استوا ظاہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے .... علیٰ ہذا القیاس، ندائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلق منع کرتے ہیں [۲]

(۹) وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کو سخت منع کرتے ہیں۔ اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس ندا اور خطاب پر کرتے ہیں۔ اور ان کا استہزا اڑاتے ہیں۔ اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں [۳]

(۱۰) وہابیہ تمباکو کھانے اور پینے کو حقہ میں ہو یا سگار میں یا چرٹ میں اس کے ناس لینے کو حرام اور اکبر الکبائر میں شمار کرتے ہیں۔ ان جہلاء کے نزدیک زنا اور سرقہ کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا جس قدر تمباکو استعمال کرنے والا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق وفجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمباکو کے استعمال کرنے والے سے کرتے ہیں [۴]

(۱۱) وہابیہ امر شفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلہ عدم کے پہنچا دیتے ہیں [۵]

(۱۲) وہابیہ سوائے علم احکام شرائع جملہ اسرار علوم حقانی سے ذات سرور کائنات خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں [۶]

---

[۱] الشہاب الثاقب، ص: ۶۲، [۲] ایضاً، ص: ۶۴، [۳] ایضاً، ص: ۶۵، [۴] ایضاً، ص: ۶۶، [۵] ایضاً، ص: ۶۷، [۶] ایضاً، ص: ۶۷،

جن وہابیوں نے اہل اسلام کے خرمن ایمان پر بجلیاں گرائی ہوں وہ اگر اہل باطل کو
باطل اور اہل کفر کو کافر کہہ دیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ہاں مگر ایک آقا اپنے
زر خرید غلاموں اور نمک خوار حاشیہ برداروں کے خلاف تلواریں کھینچ لے تو ضرور
مقام حیرت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سیّال سونے نے وہابیوں کو کافر کہنے والے اہل
دیوبند کے زبان و قلم کا رخ ایسا موڑا ہے کہ آج اگر اہل سعود وہابی آفتاب نصف النہار کو
شب تاریک کہہ دیں تو اہل دیوبند ہاں میں ہاں ملا کر اس کے ثبوت کے لئے فکر و قلم کی تمام تر
صلاحیتیں صرف کر دیں گے ۱۹۹۰ء کا موجودہ خلیجی بحران اس کی تازہ مثال ہے۔ مگر ان
بے رحم نجدیوں نے اپنے حاشیہ برداروں کو بھی نہیں بخشا۔ اور خانہ دیوبند کی بہت سی
غلاظتوں کو طشت از بام کر دیا۔ ۱۹۷۶ء میں حکومت سعودیہ کی طرف سے بذریعہ کمپیوٹر ایک
کتاب بنام "السراج المنیر فی تنبیہ جماعۃ التبلیغ علیٰ اخطائھم" لاکھوں کی تعداد میں چھاپ کر
مفت تقسیم کی گئی ہے۔ اس کتاب میں تبلیغی جماعت اور دیوبندی پیشواؤں کے بدنما
چہرے بے نقاب کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے مصنف محمد تقی الدین ہلالی ہیں۔ جو عرصہ تک
ندوۃ العلما لکھنؤ میں بھی درس دے چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے انہیں دیوبندیوں کو بڑے
قریب سے دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملا ہے۔ چند نمونے بطور شہادت پیش ہیں۔

پہلا نمونہ

ایک مرتبہ مولوی محمد قاسم نانوتوی نے اپنے پیر حاجی امداد اللہ صاحب
سے یہ شکایت کی کہ

"جہاں تسبیح لے کر بیٹھا ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر
کسی نے رکھ دیئے۔ زبان و قلب سب بستہ ہو جاتے ہیں"

اس پر حاجی صاحب نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل (بوجھ) ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ تم سے حق تعالے کو وہ کام لینا ہے، جو نبیوں سے لیا جاتا ہے"[1]

قاسم نانوتوی کی اس پیغمبرانہ منصب کی طرف خاموش پیش قدمی پر تقی الدین ہلالی رقم طراز ہیں۔

هذا الكلام خبيث مبلغ في الضلال والكذب والاستخفاف بالانبياء الى حد لا يحتاج الى تعليق فنعوذ بالله من الخذلان۔	یہ کلام خباثت سے بھرا ہوا ہے، گمراہی، دروغ بافی اور انبیاء کی گستاخی میں اس حد تک پہونچا ہوا ہے کہ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں، حرمان نصیبی سے خدا کی پناہ۔

دوسرا نمونہ

ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا اشرف علی تھانوی کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ ہر چند کہ کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔" اس پر مولانا تھانوی نے کہا کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے، اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے"[2]

اس کے بعد مرید لکھتا ہے ـــــ "اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا۔ لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بھی بدستور تھا۔ لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور ہی کا خیال تھا۔ لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا، تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے۔ بایں خیال بندہ بیٹھ گیا، اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں۔ لیکن پھر بھی کہتا ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا اشرف علی۔ حالانکہ اب بیدار ہوں۔ خواب نہیں، لیکن بے اختیار ہوں، مجبور

---

[1] سوانح قاسمی ج ۱، ص: ۲۵۹، [2] برہان فروری ۱۹۵۲ء، ص: ۱۰۷،

ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔ اس پر تھانوی نے مرید سے کہا۔ "اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے" ؎۱

اس واقعہ پر محمد تقی الدین ہلالی وہابی کے غضب ناک قلم کا تیور ملاحظہ کیجئے۔

هٰذا الكفر من المريد الذى ينبغى ان يسمىٰ مَريدًا بفتح الميم وشيخه شر منه لانه اقرّه على الكفر وكان الواجب على الشيخ لو كان مهتديًا سالكًا محجة الصواب ان يقول لمريده بل مريده. تب الى الله من هٰذا الكفر فقد اضلك الشيطان، فان رسول الله لهٰذه الامة المحمدية واحد وهو محمد بن عبدالله بن عبد المطلب صلوٰت الله وسلامه عليه واعوذ بالله ان ارضى بما جرىٰ على لسانك من نزعات الشيطان ؎۲

ترجمہ: "یہ اس مُرید کا کفر ہے، جس کو میم کے زبر کے ساتھ مَرید (سرکش) کہنا چاہئے۔ اور اس کا پیر اس سے بھی بدتر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اسے کفر پر برقرار رکھا۔ پیر اگر ہدایت یاب اور درستی کی راہ پر چلنے والا ہوتا تو اس پر اپنے مُرید بلکہ مَرید سے یہ کہنا واجب تھا کہ خدا کی بارگاہ میں اس کفر سے توبہ کر، تجھے شیطان نے گمراہ کر دیا۔ اس لئے کہ اس امتِ محمدیہ کے رسول ایک ہی ہیں، اور وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ ان پر درود وسلام۔ تمہاری زبان پر جو شیطانی خیالات جاری ہوئے ان پر راضی ہونے سے خدا کی پناہ"۔

تیسرا نمونہ

مولوی عبدالماجد دریا آبادی جو تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص ہیں۔ انہوں نے موصوف کو ایک خط لکھا کہ "نماز میں جی نہ لگنے کا مرض بہت پرانا ہے۔ لیکن کبھی یہ تجربہ ہوا کہ عین حالت نماز میں جب کبھی بجائے اپنے جناب والا کو یا .... کو فرض کر لیا تو اتنی دیر تک نماز میں جی لگ گیا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ خود یہ تصور بھی عرصہ تک قائم نہیں رہتا۔ بہرحال اگر یہ عمل محمود ہو تو تصویب فرمائی جائے۔

؎۱ رسالہ الامداد، بابت شوال ۱۳۳۵ھ، مطبوعہ: تھانہ۔ ص: ۳۴،

؎۲ السراج المنير فى تنبيه جماعة التبليغ على اخطائهم۔ ص: ۶۵،

ورنہ آئندہ احتیاط رکھوں گا"۔ تھانوی صاحب نے فرمایا۔ "محمود ہے۔ جبکہ دوسروں کو اطلاع نہ ہو"۔[1]

اس کیفیت پر تقی الدین وہابی کی تنقید پڑھئے۔

بیان ھٰذا الکلام ان المرید عبد الماجد شکیٰ الی شیخہ التھانوی ان قلبہ یغفل فی الصلوٰۃ ویشتغل بامور الدنیا لکنہ اذا تصور صورۃ شیخہ بقلبہ یتغلب شیئاً ما علیٰ ھٰذہ الغفلۃ۔ التفکر فی امور الدنیا۔ فان کان ھٰذا شیئاً محمودا عند اللہ وصواباً یقرب الی اللہ یستمر فیہ وان کان خطئاً و ضلالۃ فلیخبرہ بذٰلک حتیٰ یترکہ۔ فاخبر التھانوی۔ مریدہ بان ذٰلک التصور صواب محمود لکن یجب علیہ ان لا یخبر بذٰلک احداً ـــــ بل یبقی ھٰذا الامر سرا بینہ وبین شیخہ وھٰذا فی غایۃ ما یکون من الضلال فان استحضار صورۃ شیخہ فی الصلوٰۃ شرک باللہ وکفی یشغلہ عن اللہ تعالیٰ ویبعدہ من الخشوع الذی ھو روح الصلوٰۃ[2]

ترجمہ: "اس کلام کی توضیح یہ ہے کہ مرید عبد الماجد نے اپنے پیر تھانوی سے یہ شکایت کی کہ اس کا دل نماز میں غفلت کا شکار رہتا ہے اور دنیاوی باتوں میں لگ جاتا ہے۔ لیکن جب دل میں اپنے پیر کی صورت کا تصور کرلیتا ہے، تو اس غفلت اور دنیاوی باتوں میں تفکر پر کچھ قابو پاجاتا ہے۔ اگر خدا کے یہاں یہ امر محمود اور اللہ سے قریب کرنے والی صحیح کیفیت ہو تو اسے جاری رکھے، اور اگر خطا و گمراہی ہو تو آگاہی دی جائے تاکہ اس سے باز آجائے۔ اس پر تھانوی نے اپنے مرید کو بتایا کہ یہ تصور صحیح و محمود ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ کسی کو اس سے مطلع نہ کرے۔ بلکہ یہ معاملہ اس کے اور اس کے پیر کے درمیان مخفی رہنا چاہیے ـــــ یہ انتہائی ضلالت و گمراہی کی بات

---

[1] حکیم الامت، ص: ۵۴، [2] السراج المنیر، ص: ۶۷،

ہے۔ اس لئے کہ نماز میں پیر کی صورت دل میں لانا خدا کے ساتھ شرک اور ایسا کفر ہے جو اسے خدا سے روکنے اور نماز کی روح خشوع و خضوع سے دور رکھنے والا ہے"۔

چوتھا نمونہ مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی نے اپنی کتاب الشہاب الثاقب کے صفحہ پر شیخ نجدی اور اس کے نظریات سے متعلق جو بیان دیا ہے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے تقی الدین وہابی رقم طراز ہیں۔

ھٰذا کلام شیطان رجیم جاحد للحق ناصر للباطل۔

ترجمہ: "یہ مردود شیطان کا کلام ہے۔ جو حق کا منکر اور باطل کا معاون ہے"[1]

پانچواں نمونہ تقی الدین وہابی ابوالحسن علی ندوی پر شرک کا فتویٰ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد اخبرنی الثقات ان علیًّا ابا الحسن الندوی کان یجلس فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل الحجرۃ الشریفۃ فی غایۃ الخشوع لا یتکلم ساعتین واکثر۔ فاستغربت ھٰذا الامر وفھمت انہ استمداد فھٰذا شرک باللہ تعالیٰ[2]

ترجمہ: "مجھے معتمد حضرات سے معلوم ہوا کہ ابوالحسن علی ندوی مسجد نبوی میں حجرۂ شریفہ کی جانب متوجہ ہو کر انتہائی خشوع کے عالم میں بیٹھتے ہیں اور دو گھنٹہ بلکہ زائد کلام نہیں کرتے۔ اس سے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور میں سمجھ گیا یہ استمداد ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک ہے"۔

چھٹا نمونہ قصیدہ بُردہ کے ذیل میں حسین احمد دیوبندی پر تنقید کرتے ہوئے تقی الدین وہابی لکھتے ہیں۔

ھٰذا شرک صریح وبھتان قبیح لا یستسیغہ الا کل قلب مریض مثل

---

[1] السراج المنیر، ص:
[2] السراج المنیر، ص: ۷۶، ۷۷

الوثنية[1] حسين احمد نصير الشرك

ترجمہ: "یہ شرک صریح اور ناپسندیدہ بہتان ہے جسے کسی بیماری کا دل گوارا کر سکتا ہے جیسے شرک اور بت پرستی کے مددگار حسین احمد (دیوبندی) کا دل"۔

ساتواں نمونہ زکریا کاندھلوی سے متعلق تقی الدین وہابی لکھتے ہیں۔

ان محمد زکریا الکاندھلوی الذی یسمی محدثا عند الحنفیین الدیوبندیین والحقیقۃ انہ مُحْدِثٌ بسکون الحاء وکسر الدال[2]

ترجمہ: "محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی جنہیں حنفی دیوبندیوں میں محدّث کے خطاب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حاء کے سکون اور دال کے کسرہ کے ساتھ "مُحْدِث" ہے جسکے معنی حدث والے کے ہیں"

آٹھواں نمونہ زکریا کاندھلوی کے ایک بیان پر کفر و گمراہی کا حکم لگاتے ہوئے تقی الدین وہابی لکھتے ہیں۔

ھٰذا الکلام فیہ کفر و ضلال[3]

ترجمہ: "یہ ایسا کلام ہے۔ جس میں کفر اور گمراہی ہے"۔

نواں نمونہ تبلیغی جماعت کے متعلق تقی الدین وہابی لکھتے ہیں۔

سمعت ان التبلیغیین یحتجون بقولہ تعالیٰ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" علی الخروج للسیاحۃ المبتدعۃ ولکن لم یخطر ببالی قط ان شیخھم محمد الیاس ینزل الی ھٰذہ الدرکۃ حتی یحتج بھا علیٰ ذٰلک[4]

ترجمہ: "میں نے سنا ہے کہ تبلیغی لوگ بدعت و ناجائز گشت کے لیے نکلنے پر

---

[1] السراج المنیر ص: ۲۹،
[2] السراج المنیر ص: ۸۲،
[3] السراج المنیر ص ۸۳،
[4] السراج المنیر ص ۴۵، ۴۶،

اللہ تعالیٰ کے فرمان "اُخرِجَت لِلنّاس" سے استدلال کرتے ہیں لیکن میرے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے شیخ محمد الیاس اتنی پست سطح پر آجائیں گے کہ اس آیت سے اس گشت پر استدلال کریں گے۔

دسواں نمونہ اہلِ دیوبند کے مطابق دارالعلوم دیوبند کی بنیاد شیخ محمد قاسم نانوتوی کی موجودگی میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے اصحاب اور خلفاء کے ساتھ مدرسہ کے حساب کی تحقیق کے لئے آتے ہیں [۱]

اس واقعہ پر تبصرہ تقی الدین وہابی کے قلم سے پڑھئے۔

اقرأوا ایها الناس واعجبوا کیف یؤسس النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدرسۃ تحارب سنتہ وتنبذ هدیہ فهی ماتریدیۃ فی العقائد حنفیۃ فی المذهب اسست علی معصیۃ الرسول والتفرق فی الدین لایرضاها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء الراشدون المهدیون ولا ابوحنیفۃ رحمہ اللہ .... ولماذا یحضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتدقیق الحساب هل نزلوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی جعلوہ محاسبا لهم نفقات المدرسۃ وکفی بهذا اسوء ادب مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ماذا یبلغ الجهل والتقلید والتعصب باهلہ [۲]

ترجمہ: لوگو! پڑھو اور تعجب کرو کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے مدرسہ کی بنیاد کیسے رکھ سکتے ہیں جو ان کی سنت سے برسرِ پیکار ہو اور ان کے طریقہ کو پس پشت ڈالتا ہو۔ کیونکہ یہ مدرسہ عقیدۃً ماتریدی اور مذہباً حنفی ہے رسول کی نافرمانی اور دین میں فرقہ بندی پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس سے نہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہو سکتے ہیں، نہ خلفاءِ راشدین

---

[۱] توحید خالص، از ڈاکٹر عثمان، ص: ۲۰۴، [۲] السراج المنیر، ص: ۱۶۰،

نہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ........ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حساب کی جانچ کرنے کیوں آئیں گے ؟ کیا انہوں نے نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اس حد تک اتار دیا کہ اپنے مدرسہ کے اخراجات کا محاسب بنا دیا؟۔ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بے ادبی کے لئے اتنا بہت ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ جہالت، تقلید، عصبیت لوگوں کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے

فکر و اعتقاد اور کردار و عمل کے حیرت انگیز تضادات

محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں اور اس کے ہم نوا سعودی حکمرانوں کو دین فہمی، قرآن و سنت پر عمل داری اور توحید پرستی کا جو غرور اور جنون ہے اب آپ پر مخفی نہ رہا ہوگا۔ مگر یہ سنکر آپ کو بڑی حیرت ہوگی کہ جس کردار و عمل کی بنیاد پر انہوں نے پوری امت مسلمہ کو مشرک اور مباح الدم قرار دیا ہے۔ اور چودہ سو سالہ مسلمات کو تہہ و بالا کر کے خاک حجاز کے متبرک آثار و اماکن کو منہدم کیا ہے۔ ایک دم وہی کردار و عمل بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی عملی زندگی اور گھر آنگن میں موجود ہیں۔ فکر و عمل کے تضاد کی چند بدترین مثالیں پڑھئے۔

تصویر کا پہلا رُخ ـــــ قول و فکر

جن اعمال سے ایک مومن کافر ہو جاتا ہے اس کی ایک مختصر فہرست وہابیوں کی رسوائے زمانہ کتاب "مجموعۃ التوحید" کے حوالے سے پیش خدمت ہے۔

"کافروں سے مدارات کرنے والا کافر (۲) کافروں کے کہنے پر عمل کرنے والا کافر (۳) کافروں کو امرائے اسلام کے پاس لے جانے والا کافر (۴) کافروں سے کسی امر میں مشورہ کرنے والا کافر (۵) مسلمانوں کے اموریں سے کسی ایک مسئلہ امارت و خلافت وغیرہ میں کافروں سے کام لینے والا کافر (۶) کافروں کے پاس بیٹھنے اور

ان کے یہاں جانے والا کافر (۷) کافروں سے خوش مزاجی سے پیش آنے والا کافر (۸) کافروں کا اکرام کرنے والا کافر (۹) کافروں سے امن طلب کرنے والا کافر (۱۰) کافروں کی خیر خواہی .... کرنے والا کافر (۱۱) کافروں سے مصاحبت و معاشرت رکھنے والا کافر (۱۲) کافروں کو سردار کہنے والا کافر (۱۳) علم طب جاننے والے کو حکیم کہنے والا کافر (۱۴) کافروں کے ملک میں ان کے ساتھ رہنے والا کافر" [۱]

تصویر کا دوسرا رُخ ـــــ کردار و عمل

درج بالا سطور سے وہابیوں اور سعودیوں کی تیز رو کافر سازی کی مہم سے آپ آشنا ہوگئے ہوں گے ۔ اب غیر مسلموں کافروں اور مشرکوں سے ان کے ذاتی تعلقات و روابط اور عقیدت و محبت کا جائزہ لیجئے ۔ ۱۹۵۹ء میں امیر فیصل نے نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے ہندوستان کا دورہ کیا ۔ جس کی تفصیلات پاکستانی اخبار نے یوں ریکارڈ کی ہیں ۔

"بھارتیوں نے امیر فیصل کے استقبال میں بھارت ، سعودی عرب زندہ باد ، راجکمار سعودی عرب زندہ باد کے نعرے لگائے ۔ امیر فیصل نے بھارت میں قیام کے دوران میں ڈاکٹر راجندر پرشاد ، ڈاکٹر رادھا کرشن اور پنڈت نہرو سے ملاقاتیں کیں ۔ اور راج گھاٹ پر مہاتما گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھانے گئے ۔" [۲]

۱۹۵۵ء کے اخیر میں شاہ سعود نے بھارت کا دورہ کیا ۔ اور بہت سے ہندو لیڈروں سے ملاقاتیں کیں اور ایک بیان میں کہا مجھے یقین ہے کہ ہندوستان اور سعودی عرب کے اتحاد اور دوستی کے رشتے ہمیشہ مضبوط رہیں گے ۔

سعودیہ عربیہ کی دعوت پر ۱۹۵۶ء کے اخیر میں پنڈت نہرو سعودیہ گئے ، جن کا زبردست استقبال کیا گیا ۔ روزنامہ "البلاد السعودیہ" نے نہرو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ سعودی عرب ایک رہنما کو خوش آمدید کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے ۔ آخر میں اس اخبار

---

[۱] مجموعۃ التوحید ، ص : ۸۶، ۸۷ [۲] روزنامہ نوائے وقت ، ۱۱ر مئی ۱۹۵۵ء

نے دعا کی کہ امن کا یہ داعی ہزار برس جئے"۔ شاہ سعود کی مؤتمر اسلامی کے سکریٹری کرنل انوار السادات نے نہرو کو "ایشیائی فرشتہ" لکھا۔ لکھا ہے۔ "اے ایشیا کے فرشتہ تم پر سلامتی ہو"۔ مسٹر نہرو کی آواز توپوں کی گرج سے کہیں زیادہ باا ثر ہے۔ کیوں کہ یہ سچائی کا علمبردار ہے [1]

سعودی عرب میں نہرو کا "مرحبا نہرو رسول السلام" (اے امن کے پیغمبر ہم تیرا خیر مقدم کرتے ہیں) اور جے ہند کے نعروں سے استقبال کیا گیا۔ اور سر زمین حجاز پر پہلی مرتبہ بھارتی ترانہ "جن من گن بجایا" جب نہرو دار الحکومت ریاض پہونچے تو شاہ سعود نے گلے لگایا سعودی شہزادوں، فوجی افسروں اور وزیروں نے خیر مقدم کیا۔ اور ایک فوجی افسر نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ ۲۴ ستمبر کی رات کو شاہی محل "الحمرا" میں شاہ سعود نے نہرو کے اعزاز میں ضیافت دی۔ جب نہرو کمرے میں داخل ہوئے تو شاہ سعود نے بڑھ کر ان کی شیروانی کے کاج میں سرخ رنگ کا ایک گلاب ٹانک دیا۔ دوران میں سعودی عرب کے گورنر نے نہرو کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ نہرو کو ریاض کے ایک اسکول میں لے جایا گیا۔ انہیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ طلبہ گرو دیو ٹیگور، کی گیتا انجلی کے بھجن گا رہے تھے، جو اسکول کے نصاب میں شامل تھے۔ جب نہرو اسکول کے دوسرے کمرے میں پہونچے تو طلبہ نے ان کا استقبال "گاندھی کے جانشین" اور عربوں کے غیر متنازعہ دوست، کے نعروں سے کیا۔ اسکول میں شاہ سعود کے بھائی سطام نے نہرو کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا "نہرو ایک ایسا مضبوط ہاتھ ہے جس پر عرب بھروسہ کر سکتے ہیں"۔ مزید کہا۔ "آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں" [2]

برطانوی کافروں سے روابط

وہابی مسلک سعودیوں کی ہندوؤں سے عقیدت و محبت اور روابط کے پراسرار انکشافات کے بعد، ذیل میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن برطانوی سامراج

---

[1] تاریخ نجد و حجاز، بحوالہ روزنامہ کوہستان" لاہور، ۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء [2] تاریخ نجد و حجاز،

نجدیت پرستوں سے مجوری توحید پرستوں کی سازباز، دائمی غلامی اور حاشیہ برداری کی حیرت انگیز داستان پڑھیئے۔

۱۹۹۰ء کے موجودہ خلیجی بحران میں جو آلِ سعود نے امریکیوں کی جانب دستِ استعانت بڑھاکر انہیں حجاز مقدس میں بلایا ہے اور ان کی شباب، شراب اور کباب سے بھرپور ضیافت کی جارہی ہے۔ اس نے جہاں اسلامی روایت کے دامن کو داغدار کیا ہے وہیں اس سے عہدِ حاضر میں سعودیوں کی انگریز دوستی کے تمام چہرے بھی بے نقاب ہوگئے ہیں۔ اس لئے اس پر کسی تفصیلی شہادت اور مزید قلم فرسائی کی قطعاً حاجت نہیں۔ تاہم ماضی کے باہمی رابطے جاننے کے لئے ابن سعود اور برطانیہ کے درمیان ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کے ایک معاہدہ کی تلخیص پیش ہے۔

(۱) برطانیہ نے ابن سعود اور ان کی اولاد کو نجد کا حکمراں تسلیم کرلیا۔ (۲) بیرونی جارحیت کی صورت میں ابن سعود کو برطانیہ کی اعانت حاصل ہوگی۔ (۳) ابن سعود کے بیرونی معاملات پر برطانوی سیادت تسلیم کرلی گئی۔ (۴) ابن سعود نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنا علاقہ یا اس کا کچھ حصہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی طاقت کے حوالے نہ کریں گے۔ (۵) ابن سعود اپنے علاقے میں حاجیوں کے قافلے کے راستے کھلے رکھیں گے (۶) ابن سعود نے وعدہ کیا کہ وہ کویت، بحرین اور ساحلی امارات کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

معاہدے کا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں ایسی کوئی دفعہ نہ تھی کہ ابن سعود شریف حسین کے علاقے پر حملہ نہ کریں گے۔ اس کے بعد کاکس کی استدعا پر ابن سعود نے نومبر ۱۹۱۶ء میں کویت کے جابر الصباح، عنیزہ کے شیخ فہد، اور محمرہ کے شیخ خزال سے بصرہ میں ملاقات کی۔ اس ملاقات کے نتیجہ میں ابن سعود کو برطانیہ سے ۶۰۰۰۰ ہزار پونڈ کی سالانہ امداد ملنے لگی۔ آگے چل کر یہ رقم ایک لاکھ پونڈ مقرر کی گئی۔ اس کے علاوہ انہیں تین ہزار رائفلیں اور تین ہزار مشین گنیں بھی تحفے میں دی گئیں۔

تصویر کا پہلا رُخ ــــ قول وفکر

وہابیوں کے مذکورہ عقائد سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام کے مزاروں پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا کرنا، ان کی قبروں پر پھول چڑھانا، شرک ہے۔ اسی بدترین عقیدہ کی بنیاد پر بہت سے صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ کی قبروں کو کھود دیا۔ بلکہ احساء میں تو اولیائے عظام کی قبروں کو بیت الخلاء میں تبدیل کر دیا گیا۔ اب آئیے ذیل میں ان کے عمل کا مطالعہ کیجئے۔

تصویر کا دوسرا رُخ ــــ کردار وعمل

روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کے مطابق اس وقت کے وزیر اعظم امیر فیصل نے گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھائے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۱۹۵۷ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے بادشاہ شاہ سعود نے ارلنگٹن کے قبرستان میں ایک مشرک کی قبر پر پھول چڑھائے۔ اور روزنامہ کوہستان ۲ فروری ۱۹۵۷ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے وزیر دفاع شہزادہ فہد نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے۔

شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اور نجدی شریعت کی روشنی میں ان بدترین اعمال کا حکم تو واضح ہے۔ مگر حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ مزاروں پر عقیدتوں کے پھول چڑھانے والوں کے خلاف کفر وشرک کا نعرہ لگانے والے ایسے علانیہ کفر وشرک کے مرتکب کیوں ہوئے اور ان کے بعد بھی ان کی توحید پرستی پر کوئی حرف نہ آیا۔ اس سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ وہابی شریعت میں شرک کے پیمانے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے الگ ہیں اور سعودی ونجدی خاندان کے لئے الگ،

یہ محض چند مثالیں تھیں ورنہ ان "نجدی مُوَحّدین" کی زندگیاں اس طرح کے تضادات سے بھری ہوئی ہیں۔ حاصل یہ کہ ساری دنیا کے مسلمانوں اور آٹھ سو سال کے تمام ائمۂ دین کو مشرک وگمراہ قرار دینے والے اپنے فتووں کی رُو سے خود کتنے بڑے مشرک وگمراہ ہیں؟۔ مگر دعوی یہ ہے کہ موحّد صرف وہ ہیں، اور ساری دنیا مشرک ــــ

دولت واقتدار کے ذریعہ وہابیت کی اشاعت

خاکِ حجاز میں وہابی اور سعودی پُرفریب تحریکوں کا استحکام، باہمی تعاون و تشارک، فکر و اعتقاد کے اشتراک اور کردار و عمل کی ہم آہنگی سے ہوا۔ وہابی مذہب کے ایمان سوز افکار و عقائد کو فروغ اہل سعود کی ننگی تلوار، جابرانہ اقتدار اور دولت کی فراوانی سے ہوا۔ اور حرمین میں مقدس مقامات و آثار کی پامالی و بے حرمتی اور بے گناہ مسلمانوں کے قتل و غارت گری کے لئے اہل سعود کو جواز کی راہیں، وہابی شریعت نے فراہم کیں۔

اس اسلام کش پالیسی پر آنے والی تمام نسلیں بھی عمل کرتی رہیں۔ جتنے بھی وہابی علماء اور سعودی حکمراں ہوئے اگلوں کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ اور آج بھی وہابی افکار و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے سعودی دولت و اقتدار کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ ذیل میں چند شواہد پڑھئے اور شیوخ حرم کی کم نگاہی پر ماتم کیجئے۔

فروغ وہابیت کے لئے سیّال سونے کا استعمال

(۱) محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کو مقدمہ و تشریح کے ساتھ مفت تقسیم کئے جانے کا سرکاری انتظام کیا گیا ہے۔ اور آج وہابی افکار و عقائد کے فروغ و استحکام کے لئے دنیا کی مختلف زبانوں میں اہل قلم سے کتابیں لکھوائی جا رہی ہیں

(۲) عبدالعزیز ابن سعود نے مکہ معظمہ پر قابض ہونے کے بعد اپنے مخصوص عقائد کے پروپگنڈے کے سلسلے میں کتاب "مجموعۃ التوحید" کو شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ اس مجموعہ میں مختلف رسائل ہیں۔ جن کے نام بھی مختلف ہیں۔ مگر صفحات کا نمبر مسلسل ہے۔ یہ کل مجموعہ ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے ایک اور مستقل رسالہ "الہدیۃ السنیۃ" کے نام سے ابن سعود کے حکم سے شائع ہوا ہے [1]

---

[1] تاریخ نجد و حجاز ص: ۲۲۲ مطبوعہ لاہور

(۳) شیخ نجدی نے محمد بن سعود کی خاطر "کشف الشبہات" نامی ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں اس نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ اور یہ زعم کیا کہ چھ سو سال سے تمام مسلمان کفر اور شرک میں مبتلا ہیں۔ اور قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو صالح مسلمانوں پر چسپاں کیا۔[1]

(۴) حکومت سعودیہ کے اشارے پر ایک کتاب "البریلویہ" نامی لاہوری وہابی احسان الٰہی ظہیر فاضل مدینہ یونیورسٹی نے ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب امام اہلسنت امام احمد رضا بریلوی کے خلاف الزامات واتہامات پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو اور انگلش ایڈیشن بھی آچکا ہے جن کی اشاعت سعودی ریال کے سہارے پوری دنیا میں کی جارہی ہے۔ اور اس کے ذریعہ اشاعتِ وہابیت اور افتراق بین المسلمین کا سیاہ کارنامہ انجام دیا جارہا ہے۔[2]

(۵) عید میلاد النبی کی مقدس محفلیں جنہیں تمام اہل اسلام اور عاشقان خیر الانام صدیوں سے منعقد کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور ان کے جواز پر عقل ونقل کے بے شمار شواہد دلائل موجود ہیں۔ ان تقاریب کے خلاف شرک وبدعت کے فتووں پر مشتمل کتابچے حکومت سعودیہ کی طرف سے گھر گھر پہونچائے جارہے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں سے مفتی وہابیت ابن باز کے فتوے اور ابو بکر جابر الجزائری کے کتابچے مفت تقسیم کئے جارہے ہیں۔ مسافرانِ حجاز کو یہ کتابچے تحفہ میں دیئے جاتے ہیں۔ اور گنبد خضرا کے انوار سے فیض یاب ہونے والے حجاج کو رسول دشمنی کی یہ جیتی جاگتی دستاویز بطور تبرک پیش کی جاتی ہے۔

(۶) مکہ مکرمہ کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت شیخ سید علوی مالکی کی دو کتابوں، (الذخائر المحمدیہ اور حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف) کی تردید میں ایک نجدی عالم عبد اللہ بن سلیمان بن منیع نے ایک کتاب بنام (حوار مع المالکی فی رد منکراتہ وضلالاتہ) لکھی ہے۔ جو تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب پر

---

[1] تاریخ نجد وحجاز، ص: ۱۵۹، [2] ماہنامہ حجاز جدید دہلی، بابت جنوری ۱۹۸۹ء ص، ملخصاً،

ابنِ باز کی تقریظ بھی ہے۔ اس کتاب کو سعودی حکومت پوری دنیا میں مفت تقسیم کر رہی ہے[1]
(۷) مدینہ یونیورسٹی جو درحقیقت جامعۂ ازہر قاہرہ کے خلاف عالمِ وجود میں آئی ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانانِ عالم کو فکری و تعلیمی راہ سے وہابیت سے قریب کیا جائے۔
دنیا میں اس کے پھیلے ہوئے ہزاروں مبعوثین بھی یہی کام کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے انہیں ریالوں کی تھیلیاں پہونچتی رہتی ہیں۔ مساجد و مدارس کی تعمیر کے نام پر پاک وہند میں بھی ان کی جو سرگرمیاں ہیں ان سے یہاں کے مسلمان بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ ہند و پاک کے نجدی ایجنٹ شب و روز ایسی مہم میں مصروف ہیں۔ اور اپنی کارگزاریوں سے اپنے آقایانِ نعمت کو برابر مطلع کرتے رہتے ہیں[2]

حجازِ مقدس میں اشاعتِ حق کی راہیں مسدود

سعودی حکومت اشاعتِ وہابیت کے لئے جہاں سیّال سونے کی رَو میں وہابی مکتبِ فکر کی کتابوں کو پوری دنیا میں پھیلا رہی ہے۔ وہیں اس نے اپنے اقتدار کے بل بوتے پر عالمِ اسلام کی اُن تمام کتابوں کی درآمد پر سخت پابندی عائد کر دی ہے۔ جن میں ان کے افکار و عقائد سے عدمِ موافقت اور اہلِ حق کی حمایت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ بزرگوں کی ان صدیوں پرانی مثبت عناوین پر لکھی ہوئی کتابوں کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا جن سے وہابی مسلک و مذہب پر کوئی ضرب پڑنے کا اندیشہ تھا، یا جو ان کے عقائد و نظریات کی ترجمان نہ تھیں۔ آئیے کتابوں پر پابندی سے متعلق کچھ قیامت خیز حوادث اور پُر فریب سازشوں سے متعلق قدرے تفصیل ملاحظہ کیجئے۔
سعودی کسٹم پر مذہبی کتابوں کی تحقیق و تفتیش سے متعلق شورش کاشمیری رقم طراز ہیں۔
"شراب، چرس اور کتاب تینوں پر کسٹم کی نگاہیں رہتی ہیں۔ لطف یہ کہ کتاب یا رسالہ کسٹم سنسر نہیں کرتا۔ وہ محکمۂ تعلیم کے پاس جاتا ہے۔ اور محکمۂ تعلیم کے ارکان کی مرضی ہے کہ وہ مہینوں یا ہفتوں سنسر نہ کریں، چاہیں روک لیں، چاہے پاس کر دیں۔

---

[1] حجاز جدید دہلی ملخصاً ص ۱۴۰، جنوری ۱۹۸۹ء، [2] حجاز جدید دہلی ملخصاً ص ۱۲، جنوری ۱۹۸۹ء،

میں اپنے ساتھ علامہ اقبال کے خطبات وکلمات کا مجموعہ "فیضانِ اقبال" لے گیا تھا لیکن روک لیا گیا ہیں ۵ اروزرہ کر واپس آ گیا۔ "فیضانِ اقبال" سنسر نہ ہو سکا۔ کتابیں ان کے آفس میں کوڑا کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ قرآن پاک کے ترجمے بھی ان میں گڈمڈ ہوتے ہیں۔ کوئی تخصیص یا کوئی احترام نہیں۔ بس جو شخص وہاں بیٹھا ہے اس کی مرضی کا نام سنسر ہے، اور اس کی فرصت کا نام وقت" لہ

سعودی کسٹم کی مذہبی عصبیت کا اندازہ غیر مقلد عالم محمد عاصم کے اس بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"کسٹم پر مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اگرچہ میرے ساتھ کچھ کتابیں تھیں۔ اور ان میں سے بعض کتابیں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق مذہبی تھیں۔ لیکن کسٹم آفیسر صاحب نے ان کتابوں پر شک وشبہہ کی نگاہ نہیں ڈالی۔ کیونکہ بعض کتابوں کے دیکھنے سے انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں بھی ایک سلفی العقیدہ یعنی غیر مقلد اہلِ حدیث آدمی ہوں۔ اس لئے انہوں نے میری سختی سے تلاشی لینے کو ضروری نہ سمجھا۔۔۔۔۔۔۔
دنیا کے دوسرے ملکوں میں غیر مذہبی کتابوں کی تو خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ لیکن مذہبی کتابوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ سعودی عرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں دوسری کتابوں کا تو یوں سمجھئے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا۔ لیکن مذہب اور خصوصاً عقائد سے متعلق کتابوں کو بڑے شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے" ؎۲

مذہبی کتابوں کے ساتھ شیخ نجدی کی ستمگری سے متعلق علامہ جمیل عراقی لکھتے ہیں۔

ترجمہ: "درود شریف کے موضوع پر دلائل الخیرات اور اس جیسی کتنی ہی کتابیں اس نے جلا ڈالیں۔ اسی طرح فقہ، تفسیر اور حدیث کی جو کتابیں اس کے مزعومات کے خلاف تھیں ان سب کو اس نے جلا ڈالا۔ اور اس نے اپنے پیروکاروں کو اذنِ عام دے رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں اپنی عقل سے قرآن کی تفسیر کریں" ؎۳

لہ شب جائیکہ من بودم ملخصاً، ص ۲۹ ؎۲ سفرنامہ ارضِ قرآن ص: ۵۵، ۵۶ ؎۳ الفجر الصادق ص: ۱۸

ترجمہ: "انہوں نے میدانوں، بازاروں، اور گلی کوچوں میں کتابوں کو اس طرح ڈال دیا کہ ہوائیں انہیں اڑاتی، برباد کرتی رہیں۔ ان میں قرآن کریم کے متعدد نسخے، احادیث میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور حدیث و فقہ کی دوسری کتابیں تھیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی تھی۔ کافی عرصہ تک یہ کتابیں اپنی عظمت و حرمت کو یونہی صدائیں دیتی رہیں۔ اور نجدی ان مقدس اوراق کو اپنے قدموں تلے روندتے رہے ـــــــ اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ ان اوراق میں سے کوئی ورق اٹھالے۔ پھر انہوں نے طائف کے گھروں میں آگ لگادی۔ اور انہیں چٹیل میدان بنادیا۔ اور یہ واقعہ ۱۲۱۷ھ کا ہے۔"[1]

قصیدہ بردہ اور اس قسم کے دیگر قصیدوں کو نذر آتش کیا گیا۔ اور اس قسم کے نعتیہ کلام کی حرمین میں دخول کی آج بھی کوئی اجازت نہیں ہے۔ مزید برآں ان بزرگ ہستیوں اور پرشوق قاریوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے جن میں ہزاروں علماء اور صلحاء بھی شامل ہیں۔

تقی الدین وہابی ہلالی نے لکھا ہے ــ

"اما البردة والهمزية ففيهما من الشرك والضلال مالا يرتضيه الا كل مشرك دجال"[2]

ترجمہ: قصیدہ بردہ اور ہمزیہ میں شرک اور گمراہی ہے۔ اس سے خوش نہ ہوگا مگر ہر دجال مشرک"۔

ادھر چند سالوں سے عالم اسلام کے مشہور فقیہ پچاس سے زائد علوم و فنون پر تقریبًا ایک ہزار کتابوں کے مصنف امام اہلسنت امام احمد رضا بریلوی کے عالمگیر شہرت یافتہ ترجمہ کنز الایمان کے داخلہ پر بھی سعودی حکومت میں پابندی ہے۔ حالانکہ یہ قرآن پاک کا برِ صغیر و ایشیائی ممالک کے اہل قلم میں سب سے زیادہ مستند اور محتاط ترجمہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اردو تراجم میں سب سے زیادہ پڑھا بھی جاتا ہے۔ مگر علوم قرآنی سے نابلد نجدی علماء کو

---

[1] الفجر الصادق، ص: ۲۲، [2] السراج المنیر، ص: ۲۹،

اس ترجمۂ قرآن میں بھی شرک کی آمیزش نظر آنے لگی، اس لیے اس پر پابندی لگادی گئی
مکہ مکرمہ کے جید عالم شیخ سید علوی مالکی کی ایک عظیم تصنیف ہے۔ "الذخائر المحمدیہ"
مطبوعہ قاہرہ مصر، جس کے تقریباً ساڑھے تین سو صفحات ہیں۔ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ
وسلم کی سیرِ طیبہ، آپ کے فضائل وکمالات اور خصائل واوصاف کا نہایت بیش قیمت
مجموعہ ہے۔ اور اس کا سارا مواد مستند احادیث اور کتبِ سیر سے ماخوذ ہے۔ اور آپ
ہی کا ایک دوسرا کتابچہ ہے۔ "حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف" مطبوعہ جدہ، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء
(اردو ترجمہ بنام جشن میلاد النبی، شائع کردہ: المجمع الاسلامی مبارکپور) جس میں آپ نے
مختصر طور پر جواز واستحسان میلاد وقیام کا فتویٰ دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں علماء اسلام
کی آراء اور ان کی چند مفید کتابوں کی نشان دہی فرمادی ہے۔

ان دونوں کتابوں کی بنیاد پر سعودی حکومت کے وظیفہ خوار علماء وشیوخ نجد نے
آپ کو مبتدع اور ضال ومُضل قرار دے کر مسجد حرام شریف میں آپ کے درسِ
حدیث کو بند کر دیا ہے۔ گھر پر ہونے والی محفلِ میلاد پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اور
بیرون ملک کے دعوتی اسفار کی اجازت منسوخ کر دی ہے۔ یہ سازی کارروائیاں
شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز الرئیس العام لادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء
والدعوۃ والارشاد (سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی) کے حکم پر ہوئی ہیں۔
شیخ ابن باز سعودی حکومت کے سب سے بڑے عالم وفقیہ ہیں۔ اور دونوں آنکھوں
کی روشنی سے محروم ہیں [۱]

۱۸ راگست ۱۹۸۸ء کو عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ سربراہ اعلیٰ
الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے اپنے سفر حرمین سے واپسی پر جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ اور
طلبہ کو خطاب کیا تھا۔ جس میں راقم السطور بھی موجود تھا۔ اس خطاب میں آپ نے عالمِ
اسلام کے خلاف، وہابی سعودیوں کی ایک پُراسرار سازش کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا۔

---

[۱] ــــــــ ماہنامہ حجاز جدید دہلی، بابت جنوری ۱۹۹۰ء۔

"مجھے میرے ایک مخلص بنے بتایا جو وہیں رہتے ہیں کہ سعودیوں کی سازش اہل سنت کو مٹانے اور پوری دنیا پر وہابی مذہب مسلط کرنے کے سلسلہ میں بڑی ہی خطرناک ہے۔ موجودہ نجدیوں کے سب سے بڑے امام ابن باز کا یہ پروگرام ہے کہ اسلاف کی قدیم کتابوں میں جہاں اہل سنت کی تائید میں عبارتیں ملتی ہیں ان کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کرکے وہابی مذہب کے خلاف عبارتوں پر نشانات لگا لگا کر اس غرض سے پریس کے حوالے کیا جائے، کہ ان عبارتوں کو نکال کر کتابیں از سر نو چھاپ کر ساری دنیا میں پھیلا دی جائیں تاکہ اہل سنت کو اپنے موقف کی تائید میں اسلاف کرام کی کتابوں سے حوالے پیش کرنے کی گنجائش ہی نہ ملے اس سلسلہ میں ان کا کام جاری ہے"۔

یہ تھے خاک حجاز میں اشاعت حق کے خلاف سعودی سازشوں کے چند نمونے، اب آپ اندازہ کیجئے کہ سعودیہ عربیہ میں نئی نسل کو وہابی بنانے کے لئے کتنی پرفریب سازشوں کو بروئے کار لایا جا رہا ہے ——— ظاہر ہے کہ جب حجازی باشندوں کو پڑھنے اور سننے کے لئے وہابیت کے سوا کچھ نہیں ملے گا تو لاشعوری طور پر بتدریج نئی نسل وہابیت میں ڈھلتی چلی جائے گی۔ اور یوں پورا جزیرۂ عرب وہابیت کا گہوارہ بن جائے گا۔ اسپین میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے جو سازش اختیار کی تھی وہی تاریخ سعودیہ عربیہ میں مسلمانوں کو وہابی بنانے کے لئے دہرائی جارہی ہے ——— ساتھ ہی اس خودساختہ اور خانہ ساز مذہب کو پوری دنیا میں رائج کرنے کے لئے تبلیغ اسلام کے دلکش نام پر سیال سونے کی نہریں بہائی جا رہی ہیں مقصد صرف یہ ہے کہ پوری دنیا میں چودہ سو سال سے جو دین اسلام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے متوارث طور پر چلا آ رہا ہے اس کی جگہ تیرہویں اور چودھویں صدی میں پروان چڑھنے والی وہابیت کو رواج دیا جا سکے۔ اور ایسے پرفریب طریقہ پر اسے گھر گھر پہونچا دیا جائے کہ نئی نسل اسی کو سچا اسلام سمجھ کر قبول کرتی جائے ———

فعیاذًا باللہ تعالیٰ من فتنتہا دمکائدھا۔

زائرینِ حرم پر سعودی سفّاکیوں کی دردوز داستان

دنیا کے کسی بھی خطہ کا مسلمان ہو، اس کی آرزوؤں کی دنیا میں زیارتِ حرمین کا پرشوق جذبہ ضرور پرورش پا رہا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اصحابِ استطاعت عالمِ اسلام سے کارواں در کارواں روانہ ہوتے ہیں۔ اور ایامِ حج میں حجازِ مقدس کو بھر دیتے ہیں۔ کیونکہ فریضۂ حج کی ادائیگی جہاں حکمِ الٰہی کی تعمیل اور اسلامی اخوت و مساوات کی جلوہ گاہ ہوتی ہے وہیں گنبدِ خضرا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دیگر یادگاروں کی زیارت کا حسین موقع بھی ہوتا ہے ——— جس سے شمعِ نبوت کے پروانوں کو تسکین قلب و نظر اور آرام جسم و جاں کا بھرپور سامان فراہم ہوتا ہے۔

مگر یہ ظالم سعودی حکمراں بجائے اس کے کہ حجاج کرام کے جذبۂ عشق و محبت کا احترام کرتے۔ موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ قدم قدم پر ان کے لئے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ ان سے بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ روضۂ مقدس پر سعودی غنڈے مقرر کئے جاتے ہیں جو نہ کسی غلام کو صلوٰۃ و سلام پڑھنے دیتے ہیں اور نہ دست بستہ کچھ دل کی فریادیں سنانے دیتے ہیں۔ ان پر جبراً وہابی مذہب مسلط کرتے ہیں۔ وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اور ایسا نہ کرنے پر جبر و تشدد کرتے ہیں۔ بلکہ فریضہ حج کی ادائیگی اور روضۂ رسول کی زیارت کے بغیر واپس کر دیتے ہیں۔ ان قیامت آشوب واقعات کو سنکر آج بھی آنکھوں سے آنسو چھلک آتے ہیں ؎

ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو ✲ وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا

عالمِ اسلام کے انہیں ستم رسیدہ حاجیوں اور بارگاہِ رسالت کے عاشقوں میں دو اہم شخصیتیں ہندوستان کی بھی ہیں۔ مجاہدِ ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ اور علامہ مفتی محمد اختر رضا ازہری جانشین مفتی اعظم ہند، ان دونوں بزرگوں کے ساتھ

سعودیوں نے جس ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

مجاہد ملت[۱] پر سعودی مظالم

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے متعدد بار کعبۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ شریف حسین والیٔ عرب کے عہد میں پہلا حج کیا۔ اس کے بعد وہابی نجدی حکومت کے زمانے میں کئی بار حج کئے ۔

آخری حج چودھویں صدی ہجری کے آخر میں ہوا۔ ۱۳۸۷ھ میں جو حج ادا فرمایا، اس میں امام حرم کے پیچھے نماز نہ پڑھنے پر مباحثہ ہوا۔ ۱۳۹۲ھ میں حج کے موقع پر بھی ایسا ہوا۔ اور پولیس گرفتار کرکے قاضی کے پاس لے گئی۔ اور نماز جماعت سے نہ پڑھنے پر مباحثہ و مکالمہ ہوا۔ جس میں مجاہد ملت کامیاب ہوئے۔ (مجاہد ملت کا حرف حقانیت بقلم مولانا عاشق الرحمٰن حبیبی)

۱۳۹۹ھ میں وہابی نجدی عہد حکومت میں چوتھا حج تھا۔ اس میں ہونے والا واقعہ

---

[۱] مجاہد ملت علامہ شاہ "حبیب الرحمٰن" قادری قدس سرہ عالم باعمل، علم و فضل زہد و تقویٰ کے نیر تاباں، جرأت و ہمت کے کوہ گراں، مجاہد روز روشن اور عابد شب زندہ دار، رئیس وقت مگر فقیرانہ زندگی کے حامل تھے۔ آپ نے سرزمین ہند پر اخلاص و للّٰہیت اور بے مثال دینی و ملی خدمات کے روشن نقوش ثبت کئے۔ اور حق و صداقت کی آواز بلند کرکے قید و سلاسل کو نہ جانے کتنی بار خود بڑھ کر خوش آمدید کہا۔ اور جن کی گرجدار آواز، اور نعرۂ اسداللّٰہی نے ہند سے لے کر جزیرۃ العرب تک کی نجدی کی ظالم توتوں کو لرزہ براندام کردیا ________ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ ۸ رمحرم الحرام ۱۳۲۲ھ بروز شنبہ صبح صادق کے وقت مقام دھام نگر ضلع بالاسور صوبہ اڑیسہ کے باعزت اور صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے ________ آپ کا نسب حضرت شاہ کمال بلخی علیہ الرحمہ سے چند واسطوں سے حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہونچتا ہے اور آپ کا وصال ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۳ رمارچ ۱۹۸۱ء جمعہ کو ہوا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو، مجاہد ملت نمبر ماہنامہ اشرفیہ، مئی ۱۹۸۲ء۔

قید و بند اور مصائب و آلام کی صعوبتوں کو خود مجاہد ملت نے مختصراً قلم بند فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد آٹھویں دن بعد نماز عشاء، مواجہہ شریف میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ وہاں حضرت مولانا الحاج الشاہ سید حامد اشرف جیلانی رضوی مفتی مہاراشٹر سے ملاقات ہوئی۔ سلام عرض کرنے کے بعد ہم لوگ لوٹے۔ اصحاب صُفّہ کے چبوترے سے گزر چکے تھے، پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی۔ "مولانا او مولانا" ہم سب متوجہ ہو گئے حضرت مولانا سید حامد اشرف جیلانی سے متوجہ ہو کر کہا:

"آپ پیر ہیں، اپنے مریدوں کو منع نہیں کرتے۔ یہ لوگ انسانوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں"۔

اس پر میں نے کہا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس نے کہا کہ "قرآن میں ہے، یا حدیث میں"، تو میں نے کہا فقہ کی کتابوں میں جائز لکھا ہے۔ اس پر اس نے دھمکایا کہ تم اسے بند کریں گے"۔ تو میں نے کہا بند کرو گے، دیکھا جائے گا۔ یہ کہہ کر ہم لوگ چلے آئے

پھر دوسرے دن نماز عشاء اپنی جماعت سے پڑھنے کے بعد جب میں وتر پڑھنے کھڑا ہوا تو ویسے ہی ایک شخص آیا جو صورت میں غالباً ہندوستانی یا پاکستانی تھا۔ اس نے پوچھا کہ "تم دیر سے آئے تھے اس لئے جماعت کی؟ میں نے کہا ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ دیر سے آنے کی وجہ سے جماعت کی یا ان اماموں کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں؟ میں نے کہا دونوں بات ہے۔ اس پر اس نے جا کر پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس مجھ کو گھسیٹ کر حرم کے کسی پولیس افسر کے پاس لے گئی۔ اس سے گفتگو ہوئی۔ میں نے وہاں بھی وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز کہا۔ تو اس نے مسجد نبوی شریف کے خطیب و امام اور قاضی القضاۃ عبدالعزیز کے پاس بھیج دیا۔ اس نے پوچھا تم امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا کیوں نہیں پڑھتے ہیں میں نے کہا اختلاف عقائد کی بنا پر، اس نے پوچھا کیا اختلاف؟ میں نے کہا ہم توسل بالانبیا

صلاۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو جائز کہتے ہیں۔ اور تم اسے (وسیلہ کو) شرک بتلاتے ہو لہذا تم میں ہم میں شرک وعدم شرک کا فرق ہوگیا۔ فوراً اس نے کاتب (محرر) کو بلوا کر کہا، اس کا بیان لکھو۔ اس نے میرا بیان لکھا۔ جب دستخط کرنے کے لئے قاضی القضاۃ عبدالعزیز نے سامنے رکھا۔ تو میں نے کہا مطلقاً امام حرم کے پیچھے نماز پڑھنے کو حرام نہیں سمجھتا ہوں۔ اس لئے میرے بیان میں امام کے ساتھ لفظ وہابی کا اضافہ کیا جائے تو اس نے کہا کہ تم لفظ وہابی کا اضافہ کردو،، میں نے کہا کہ تمہاری تحریر میں میں کیوں اضافہ کردوں۔ تو قاضی عبدالعزیز نے اپنے ہاتھ سے لفظ وہابی کا اضافہ کرکے اور میرے دستخط کرا کے چھوٹے قاضی کے پاس بھیج دیا۔ رات زیادہ ہوگئی تھی وہ موجود نہ تھا۔

دوسرے دن بعد نماز عشاء چھوٹے قاضی کے پاس پیشی ہوئی۔ اور اسی قسم کی گفتگو اس سے بھی ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ وسیلہ کی دلیل کیا ہے؟ میں نے کہا "وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" تو اس نے کہا کہ اس سے تو عمل صالح مراد ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ وہ بھی تو غیر اللہ ہے۔ اس نے دوسرا سوال کیا۔ ہمارے پیچھے نماز ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے میں نے جواب دیا کہ تم مکفر المسلمین ہو۔ سب مسلمانوں کو بلا وجہ کافر کہتے ہو۔ تمہارے قول کی بنا پر سلف سے لے کر خلف تک یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک، بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا کافر ہونا لازم آتا ہے۔ مثلاً توسل بالانبیاء والمرسلین کو تم شرک کہتے ہو۔ حالانکہ خلف سے لے کر سلف تک سب اس پر متفق ہیں۔ اور اس کے قائل ہیں تمہارے قول کی بناء پر سب مشرک ٹھہرے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جس قول سے سب مسلمانوں کا کافر ہونا لازم آئے وہ قول خود کفر ہے۔ لہذا تم پر کفر لازم آتا ہے: فقہاء فرماتے ہیں۔ جس کے قول کی بناء پر قائل پر کفر لازم آئے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اس نے پوچھا کس مدرسہ میں پڑھے ہو۔ میں نے جواب دیا۔ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد، جامعہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، اس نے سوال کیا کہ تم بریلی کے مدرسہ میں نہیں پڑھے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ اس کے بعد حکم سنا دیا تم کو حج ادا کرنے نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ تم توسل بالانبیاء والمرسلین کو جائز سمجھتے ہو، یہ شرک ہے۔ تم مشرک ہو

مشرک پر حج کچھ نہیں۔ میں نے کہا اگر توسل کی بنا پر ایسا مشرک ہو جاتا ہے کہ بغیر حج کئے اس کو واپس بھیج دیا جائے تو شیعہ بھی مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کرتے ہیں۔ ان کا حج کیسے جائز رکھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے شرک معاف ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی دین ہے یا کوئی مذہب ہے۔ یہ کوئی اسلام ہے۔ بغیر توبہ کئے تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے شرک معاف ہو جاتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اس پر اس نے حکم لکھ دیا۔ اس کا ملخص یہ ہے۔

القضیہ: امتناعہ عن الصلوٰۃ مع الجماعۃ واعتقادہ بالتوسل بالانبیاء والمرسلین وقد صدر بحقہ القرار الشرعی - رقم ۲۱۶۲ مورخہ ۱۶/۱۹، ۱۱، ۱۳۹۹ھ بعدم تمکینہ من الحج وترحیلہ۔

اس کے بعد اس نے مجھے جیل بھجوا دیا۔ جہاں مجھے ہتھکڑی پہنا کر تیز دھوپ میں دروازہ کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اور پتھر مارا گیا۔ جس سے میرے سر میں چکر آ گیا۔ کچھ سکون کے بعد میں نے الحمدللہ کہا۔ اس کے بعد طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی گئیں۔ اور حج سے دو، تین دن پہلے مجھے جبراً ہندوستان واپس کر دیا گیا۔ (ماہنامہ استقامت کانپور، ص: ۱۰۱، ۲۰۲، جنوری ۱۹۸۴ء سنہ ۱۴۰۴ھ)

حضرت مجاہد ملت کو ۴ ذی الحجہ کی شام کو مدینہ منورہ کی جیل "بریلی" سے مقام ترحیل جدہ منتقل کر دیا گیا۔ چھٹی شب کو جدہ سے کراچی برائے ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔ ۷ ذی الحجہ بروز دوشنبہ بوقت پونے چار بجے سہ پہر کراچی سے روانہ ہو کر منگل کی رات میں بمبئی تشریف لائے۔ (ماہنامہ استقامت کانپور، ص ۱۰۱، ۲۰۲، جنوری ۱۹۸۴ء سنہ ۱۴۰۴ھ)

جب سارے ممالک نے ملک عرب کے بادشاہ وقت کو برا بھلا کہا۔ دنیا کے سارے جریدوں میں حکومت عرب کے قدم کو شریعت سے ہٹتے ہوئے دیکھا تو ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ آخر کار حضرت مجاہد ملت سے معافی کی درخواست کی اور دوسرے

حج کے لئے دعوت دی۔ آپ تشریف لے گئے اور شان وشوکت سے "بارگاہِ نبوی" میں حاضری دی۔ نجدی حکومت کو چوں کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ امسال بھی نجدی وہابی امام کی اقتدا قبول نہ کی۔ اور اپنی نماز علیحدہ پڑھی۔ مجاہد ملت کو شاہانہ فتح ونصرت نصیب ہوئی۔

لیکن یہ محض عارضی بات تھی جو عالم اسلام کے زبردست احتجاج کی وجہ سے ظالم حکومت کو کرنی پڑی۔ کیوں کہ اس کے بعد بھی عام اہلسنت خصوصًا علمائے اہل سنت کے ساتھ ان کا اصرار یہی ہوتا ہے کہ ہماری ہی اقتدا میں نماز پڑھیں۔

علامہ ازہری مدظلہ پر سعودی قہرمانی

حضرت مولانا اختر رضا خاں صاحب ازہری جانشین مفتی اعظم ہند بریلوی قدس سرہ کے ساتھ ۱۹۸۶ء میں اسی طرح کا ظالمانہ برتاؤ ہوا۔ جیسا مجاہد ملت قدس سرہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اور بنیادی سبب یہی تھا کہ موصوف وہابی امام کی اقتدا میں نماز نہ پڑھتے۔ لیکن ظلم میں اضافہ یہ تھا کہ مسجد میں الگ جماعت کرنے کی بجائے اپنی قیام گاہ پر نماز ادا کرلی تو اس پر بھی شدت برتی ______ اور بلا جرم گیارہ دن تک قید وبند میں رکھا۔ اور دیارِ حبیب کی حاضری سے روک دیا۔ اور گیارہ دنوں کے بعد جدّہ ایرپورٹ روانہ کیا، تو ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائے رکھی۔ اور راستے میں نماز ظہر کا بھی موقع نہ دیا۔ جس کے باعث حضرت کی نماز ظہر بھی قضا ہوئی۔

یہ ہے وہابی حکومت کا کردار جس کے یہاں ایک طرف تو جماعت اور اپنے امام کی اقتدا کا وہ زور، دوسری طرف نماز ظہر ادا کرنے کی مہلت بھی نہیں۔ جب کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں پہلا اہتمام یہ تھا کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، چاروں مسلک کے مصلّے اور امام الگ مقرر تھے، تاکہ ہر مسلک والا اپنے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرسکے۔ دوسرے یہ کہ کسی وہابی نجدی یا شیعی کے ساتھ یہ جبر وتشدّد نہ تھا کہ حکومت کے مقرر کردہ اماموں کی اقتدا ہی میں نماز ادا کرے۔ ورنہ قید وسلاسل کی صعوبتوں سے گزرنے کے لئے تیار ہوجائے۔ اور اب یہ حکومت جو کسی مسلک کی پابند نہیں، بلکہ تقلید ائمہ کو شرک کہتی ہے اپنے غیر مقلد امام

قبلۂ اوّل کا غاصب قبلۂ ثانی کا محافظ نہیں ہو سکتا

شاہ فہد بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے کھڑے ہو گئے

قرآن وحدیث کی روشنی میں امریکی امداد کا پوسٹ مارٹم

سرزمین سعودی عرب میں امریکی فوجوں کی آمد کو لے کر یہ مسئلہ علمائے کرام کے درمیان متنازعہ فیہ بنا ہوا ہے۔ سعودی حکومت کے فرمانروا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے امریکی فوجوں کو اپنی سرزمین پر بلا کر اسلامی شریعت کے منافی عمل کیا ہے۔ ان کا یہ اقدام اسلامی تعلیمات کے منافی ہے یا نہیں؟ اس کے جواز کے سلسلے میں اکثر اسلامی جماعتوں نے دہلی کے مختلف کنونشن ہالوں میں تقریریں بھی کی ہیں۔ بہت سی جماعتوں نے پوسٹر اور پمفلٹ بھی تقسیم کئے ہیں۔ حال ہی میں ایک پمفلٹ "سعودی عرب کی دوست ممالک سے فوجی مدد، قرآن و حدیث اور تاریخی شواہد کے عین مطابق ہے" نظر سے گزرا۔ اس میں رسول اللہ کے عمل سے ثبوت فراہم کیا ہے کہ آپ نے بحیثیت نبی غیر مسلمین سے اشتراکِ تعاون کے طور پر حلیفانہ معاہدہ کیا ہے۔ اور ۶ ثبوت فراہم کئے ہیں۔ لیکن میرے ناقص علم کی حد تک یہ دلائل امریکی فوجوں کی آمد کے سلسلے میں قطعاً بے معنیٰ ہیں۔ رسول اللہ نے اپنی حیاتِ نبوت میں چھوٹی بڑی تقریباً ۸۰ جنگیں لڑی ہیں۔ لیکن کسی بھی جنگ میں اشتراکِ تعاون کے طور پر غیر مسلم فوجوں کی شمولیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پمفلٹ میں جو دلائل دیئے گئے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ

(۱) رسول اللہ نے "وَدّان" نامی ایک مقام پر قبیلہ بنی ضمرہ سے اشتراک تعاون کے طور پر ایک حلیفانہ معاہدہ کیا۔

(۲) "العشیرہ" نامی ایک مقام پر قبیلہ بنو مدلج اور ان کے حلیف بنو ضمرہ سے ایک ناجنگ معاہدہ کیا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل میں مشترکہ دفاع کے بارے میں اتفاق کیا۔

(۳) مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے یہودیوں سے آپ نے معاہدہ کیا۔ معاہدہ میں یہ طے پایا کہ طرفین میں سے کسی کے خلاف کوئی حملہ کرے تو اس کے خلاف نبی اپنی مدد کیلئے

جب آواز دیں گے تو انہیں آنا ہوگا۔ سب لوگ ایک قوم سمجھے جائیں گے۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم کی حیثیت سے ہیں۔

آپ نے بلا شبہ معاہدہ کیا ہے اور اشتراک تعاون پر زور دیا ہے۔ لیکن اس معاہدے کا مقصد یہ قطعی نہیں تھا کہ آپ ان یہودیوں سے مدد لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ۸۰ جنگیں لڑیں۔ بعض جنگوں میں غیر مسلم فوجوں کا تناسب ۶ گنا زیادہ رہا ہے۔ خود غزوہ بدر میں ۳۱۲ کے مقابلہ میں ۴ گنا غیر مسلموں کی فوج زیادہ تھی۔ لیکن آپ نے کسی جنگ میں ان حلیف قبیلوں سے فوجی مدد نہیں لی۔

ان غیر مسلم یہود قبیلوں سے معاہدہ کا مقصد یہ تھا جو قاضی سلیمان سلمان منصور پوری نے رحمۃ للعالمین میں ذکر کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ قبیلوں کے درمیان آپس کی خانہ جنگی ختم ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مشرکین مکہ کے پاس پڑوس کے یہودی و غیر یہودی قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارتے رہتے تھے، آپ نے ان قبیلوں سے معاہدہ کر لیا۔ تاکہ قریش مکہ ان معاہد قبیلوں کو ہمارے خلاف آمادۂ جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب مشرکین ان قبیلوں کو ابھارتے، تو جواب ملتا ہمارا ان سے معاہدہ ہے۔ لہذا ہم ان پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی حملہ میں کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ (رحمۃ للعالمین ص ۱۰۱)

اگر جنگ میں واقعی مدد لینا مقصود ہوتا تو ۸۰ جنگوں میں سے کسی نہ کسی میں آپ ضرور مدد لیتے۔ بڑی تحقیق کے باوجود مجھے کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا، جس میں رسول اللہ نے ایک بھی فرد واحد کو کسی جنگ میں بحیثیت فوج کے شامل کیا ہو۔ لہذا ان معاہدوں کو امریکی فوج کی آمد کے سلسلے میں جواز فراہم کرنا قطعاً بے بنیاد ہے جو کسی بھی صورت میں صحیح اور درست نہیں ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے مشرکین سے معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدہ کی رُو سے بنو خزاعہ آپ کے ساتھ، اور بنو بکر قریشِ مکہ کے حلیف ہو گئے تھے۔ جب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا۔ اور مشرکینِ مکہ نے بنو بکر کا باقاعدہ ساتھ دیا تو رسول اللہ نے بھی معاہدہ کی رُو

سے بنو خزاعہ کا ساتھ دیا۔ (ایک معاہد کی حیثیت سے آپ کے لئے ضروری بھی تھا) اور مشرکین مکہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس طرح فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ آپ نے مکہ پر چڑھائی کی لیکن کسی ایک غیر مسلم قبیلے کو اپنی فوج میں شامل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ بنو خزاعہ کو بھی شامل نہیں کیا۔ جن کی وجہ سے مکہ پر لشکر کشی کی نوبت آئی تھی۔ اس لشکر کشی کو اتنا صیغۂ راز میں رکھا گیا کہ اور غیر مسلم قبیلوں کو کیا خبر ہوتی۔ ایک مدت تک مسلمانانِ مدینہ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ تیاری کہاں کے لئے ہو رہی ہے۔ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر غیر مسلموں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا۔ سراسر کذب گوئی سے کام لے رہے ہیں۔ اور اس کذب گوئی سے امریکی فوجوں کی آمد کے لئے جواز تلاش کر رہے ہیں۔ سعودی عرب کے روزنامہ اخبار "العالم الاسلامی" کے ص ۵ پر شیخ عبداللہ بن باز نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بنو خزاعہ فتح مکہ کے لشکر کشی کے موقع پر جنگ میں بحالت کفر شامل تھے۔ یہ سراسر جھوٹ ہے، فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ اسلم، قبیلہ سلیم، غفار، مزینہ، جہینہ وغیرہ کی شرکت و شمولیت کا ذکر موجود ہے۔ لیکن یہ قبیلے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے۔ بنو خزاعہ کی شمولیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ (دیکھئے الرحیق المختوم ص ۲۹ ۴، سیرت ابن ہشام باب ۱۴۴ اردو) غزوۂ حنین کے موقع پر آپ نے صفوان بن امیہ سے ۱۰۰ زرہیں مستعار لی تھیں، ابن باز کے نزدیک چونکہ اس میں نبی کا غیر مسلم سے اسلحہ لینے کا ثبوت موجود ہے۔ لہٰذا امریکی فوجوں کی دعوت سرزمین عرب میں درست و بجا ہے۔

حیرت ہے اتنے اتنے بڑے اور قد آور حضرات کی فقاہت پر، کہ ایک ناجائز کو جائز ثابت کرنے کے لئے کتنی دور کی کوڑی لائے ہیں۔ اور کتنی کمزوری کا سہارا لیا ہے۔ (ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ)۔ اوّل تو آپ نے فوجی اسلحہ لیا ہے۔ لہٰذا کون کہتا ہے کہ امریکہ یا غیر مسلم سپر طاقتوں سے فوجی اسلحہ لینا سعودی عرب کے لئے ناجائز ہے۔ یقیناً جائز ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض تو اس بات پر ہے کہ اس واقعہ سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم فوجیوں کی مدد لینا جائز ہے؟ —— هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○۔

پھر صفوان بن امیہ ان مشرکین میں سے ہیں، جن کے بارے میں دو صحابہ نے فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول سے امان چاہی تھی۔ اور آپ نے صفوان کو امان بھی دی تھی اور بطور نشانی کے اپنی چادر مبارک بھی عطا کر دی تھی۔ جس شخص کو امان دی جاتی ہے وہ معاشرہ میں مسلمانوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا برابر کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اور اس سے دین کو یا دینی کاز کو کوئی خطرہ نہیں محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صفوان بن امیہ نے ..اسو زرہیں مستعار دی تھیں۔ اور جنگ حنین میں مال غنیمت میں بھی شامل ہوئے۔ اور وہ اسلام لائے۔ صفوان بن امیہ کا تعارف یہ ہے کہ یہ بنو خزاعہ پر حملے میں با قاعدہ شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے۔ عمیر بن وہب نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے لئے امان طلب کی آپ نے ان کو امان دے دی۔ اور بطور نشانی کے اپنا عمامہ بھی دے دیا۔ صفوان نے آپ سے اسلام لانے کیلئے ۲ ماہ کی مہلت طلب کی۔ آپ نے اسے ۴ ماہ کی مہلت دے دی۔ آپ نے اس سے ۱۰۰ زرہیں اسی مہلت کے ایام میں لی تھیں۔

اس واقعہ کو ثبوت بنا کر امریکہ سے اسلحہ تو بیشک لیا جا سکتا ہے لیکن امریکی فوجوں کو جائز قرار دینا بددیانتی کا ثبوت ہے اور صرف سادہ لوح عوام کو دھوکا دینا ہے۔

قاہرہ مصر کے دعوت اسلامی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر عبدالغفار عزیز نے حضرت عمر کے دور خلافت سے دو جزوی واقعات کا انتخاب کر کے اس سے جواز فراہم کرنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں شام میں مقیم عیسائیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ فارس کی فوجوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جنگ کریں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ انطاکیہ کے قریب مقیم عیسائی قبیلہ جرجومہ نے حضرت فاروق اعظم سے کہا تھا کہ میں جزیہ نہیں دوں گا۔ اس کے عوض میں جنگ میں شامل ہوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس سے معلوم ہوا کہ امریکی فوجوں کو سعودی عرب کی مدد کے لئے بلانا جائز ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اول تو آپ کے دونوں

واقعات میں عیسائیوں کے دونوں قبیلے ذمی ہیں۔ وہ باقاعدہ مسلمان ہوکر جزیہ دیتے تھے۔ جزیہ دینے کے معنیٰ یہ ہوئے کہ مسلمانوں کو ان کے دکھ درد میں شامل ہونا ہوگا۔ ان کی حفاظت و نگہداشت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ لہٰذا ان ذمیوں کو بطور معاون کام میں لایا جاسکتا ہے۔ چونکہ اقلیت میں ہیں، اور محکوم ہیں۔ لہٰذا ان سے کوئی خطرہ بھی نہیں ہے

پھر یہ قبیلے بہت مختصر تعداد میں تھے، اقلیت میں تھے۔ ان قبیلوں کو مسلمان فوجوں کی ماتحتی میں لڑنا تھا۔ آج کے امریکہ کی طرح سُپر پاور کی حیثیت ان کی نہیں تھی۔ کہ جس ملک نے دعوت دی ہے اس ملک کے فوجی اور اس کے کمانڈر خود غیر مسلم امریکی فوجوں کی ماتحتی میں عراق سے جنگ کریں۔

چنانچہ خبریں آرہی ہیں کہ امریکی فوجیں من مانی کرکے عراق پر حملہ کرنے پر مصر ہیں۔ اور اور امریکی و سعودی وزیر دفاع اور کمانڈروں میں زبردست کھینچا تانی چل رہی ہے۔ اور شاہ فہد بار بار یہ اعلان کر رہے ہیں کہ سعودی سرزمین سے عراق پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ لیکن امریکی فوجوں کا کہنا ہے کہ ہم تمہاری ہی سرزمین سے عراق پر بڑی حملہ کریں گے۔

تاج المساجد بھوپال کے مشہور عالم مفتی عبدالرزاق نے ایک کنونشن میں امریکی فوجوں کی آمد کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ اس کے جواز کے بہت سے ثبوت ہیں۔ عراق نے اشہُر حُرم میں حملہ کرکے قرآن کی نص کی مخالفت کی۔ اور اگر عراق نے مشرکین عرب کی طرح نسی پر عمل کرتے ہوئے محرم الحرام کو دوسرے مہینہ میں بدل دیا ہے تو یہ قرآن کی رُو سے کفر ہے۔ جو اور زیادہ غلط ہے۔ لیکن اس سے یہ ثبوت کہاں نکلتا ہے کہ امریکی فوجیوں اور غیر مسلم فوجیوں کا سرزمین سعودی عرب میں داخل ہونا جائز ہے۔

مولانا انظر شاہ کشمیری نے بھی ۱۴ دلائل دیئے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ عراق جارح ہے، ہمیں بھی اس سے انکار نہیں۔ لیکن عراق نے تو حملہ کویت پر کیا۔ اور سعودی عرب نے اپنی سرزمین پر عیسائی فوجوں کو دعوت دی کیا یہ اسلام کے مطابق ہے؟۔

سعودی عرب نے ہمیشہ اپنی سلطنت، بادشاہت اور سعودی حکومت پر ناجائز قبضہ

کے دفاع کی کوشش کی ہے ۔ ایران میں جب رضا شاہ پہلوی کی بادشاہت ختم ہوئی ۔ اوران کی حکومت جمہوری ہواؤں کے جھونکوں میں تنکوں کی طرح منتشر ہوگئی ۔ تو کویت اور سعودی عرب کو بھی خطرہ درپیش ہوا کہ ہماری بادشاہت کبھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور ان جمہوری جھونکوں کو روکنے کے لئے عراق کو آلہ کار بنا کر ایران سے جنگ میں الجھا دیا اور بجائے یہ کہ عراق کو ایران سے جنگ کرنے پر لعنت و مذمت کرتے اس کا بھرپور مالی تعاون کرتے رہے ۔ اور آج امریکی فوجوں کو بلانے کا مقصد یہ نہیں کہ امریکی فوجیں اسلامی کاز کی خاطر سعودی عرب کی طرف سے دفاع کریں گی ۔ بلکہ یہ کہ ہماری بادشاہت محفوظ رہے اور کچھ دن تک اور حکومت کرسکوں ۔ لیکن شاہ فہد یاد رکھیں بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ۔

یہود و نصاریٰ سے سرزمین عرب کو پاک کرنے کے لئے بڑی تاکید آئی ہے ۔ اللہ کے رسول کا فرمان ہے ۔ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب ۔ یہود و نصاریٰ سے جہاں تک ممکن ہو سرزمین عرب کو پاک رکھو ۔ ان کا اخراج کرو ۔ انہیں گھسنے بھی نہ دو ۔

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود ۔ مسلمانوں سے عداوت و دشمنی میں یہود سب سے آگے ہوں گے ۔

سورۂ آل عمران آیت ۱۱۸ میں ہے ۔ لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یألونکم خبالاً ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء ۔ اس آیت کے ذیل میں صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں ۔

"مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ۔ ان کے ساتھ اوس وخزرج کی انفرادی و قبائلی دوستی زمانہ سے چلی آرہی تھی ۔ ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف بھی تھے ۔ جب اوس وخزرج مسلمان ہوگئے ۔ پھر بھی ان سے تعلقات نبھائے رہے ۔ ان سے ملتے رہے ، لیکن نبی عربی اور آپ کے مشن سے یہود کو جو عداوت ہوگئی تھی ۔ اس بنا پر وہ ظاہری دوستی کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کرتے رہتے تھے ۔ اور جماعتی راز دشمنوں تک پہونچاتے تھے ۔ اوس وخزرج اور دوسرے قبائل کو بھڑکاتے اور

دین اسلام اور نبی کے خلاف برگشتہ کرتے رہتے تھے"۔

کیا آج امریکہ وہی نہیں کر رہا ہے، جو رسول کے زمانے کے یہودی کر رہے تھے

دراصل امریکہ کو نہ سعودی مملکت سے پیار ہے نہ کویت سے محبت ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ عربوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دے تاکہ اس کی ناجائز اولاد "اسرائیل" چین کی نیند سو سکے۔

بہر حال قرآن و حدیث سے اور نہ ہی سیاسی و سماجی نقطۂ نظر سے کہیں یہ جواز ہے کہ فہد کا سرزمین مقدس پر امریکی فوجوں کو بلانا جائز ہے۔

قبلۂ اول کا غاصب قبلۂ ثانی کا محافظ نہیں ہو سکتا۔ بیت المقدس کا غاصب اسلامی مملکت کا محافظ نہیں ہو سکتا۔ اسرائیل کا دوست اسلامی ممالک کا دوست نہیں ہو سکتا شاہ فیصل کا قاتل شاہ فہد کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اسلامی ممالک کی سرزمین کا غاصب سرزمین مقدس کا محافظ نہیں ہو سکتا۔

شاہ فہد پر یہ مثال صادق آرہی ہے کہ فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَاب۔
بارش سے بچنے کے لئے پرنالہ کے نیچے ہی کھڑے ہو گئے۔ ع
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

(اخبار نو دہلی، جلد ۸، شمارہ ۲۱، تاریخ ۱۲ تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۰ء ص ۸ بتلخیص قلیل)